انه لقول فصل ○ وماھو بالھزل (الطارق ۸۶، آیت ۱۳۔۱۴)

فقہ القرآن

رجم اصل حد ہے یا تعزیر؟

شِھَابٌ ثَاقِب ۔ لِرَجْمِ شیطانٍ لَّازِب

مؤلفہ

مولانا عمر احمد عثمانی

سابق شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ دارالعلوم چندن پورہ چاٹگام
وصدر شعبۂ اسلامیات، گورنمنٹ کالج فارمین، ناظم آباد، کراچی

شائع کردہ

ادارۂ فکر اسلامی

کاشانۂ حفیظ ۲۴۰، ایسرداس اسٹریٹ، گارڈن ایسٹ، کراچی ۔۳

(جملہ حقوق محفوظ)

کتاب: فقہ القرآن، رجم اصل حد ہے یا تعزیر؟

طبع اوّل: اکتوبر ۱۹۸۱ء، ادارۂ فکر اسلامی کے زیر اہتمام
(اس سے پہلے ایک ایڈیشن حفیظ برادران نے شائع کیا تھا)

طبع دوم: ۲۰۰۱ء

طابع: فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، کراچی

ناشر

ادارۂ فکر اسلامی

کاشانۂ حفیظ ۲۴۰، ایسرداس اسٹریٹ، گارڈن ایسٹ، کراچی ۔۳

باسمہ سبحانہ

انتساب

میں قرآن کریم کی اس خدمت کو جو میری نسبت سے انتہائی حقیر اور قرآن کی نسبت سے انتہائی عظیم ہے اپنے استاد محترم امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی کے اسم گرامی سے معنون کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جن کے ارشادات نے مجھے اس کتاب کے لکھنے میں راہنمائی عطا کی۔ ان کے بعد شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیری کی تحقیقات نے مجھے مزید جرأت و ہمت عطا کی۔

اللہ تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ہمیں ان حضرات کی اچھائیوں میں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عمر احمد عثمانی

(ابن شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی
مؤلف ''اعلاء السنن'')

☆☆☆

تشکر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من لایشکر الناس لایشکر اللہ (ترمذی)

میں صمیم قلب کے ساتھ ادارۂ فکر اسلامی کے صدر جناب محترم ڈاکٹر حبیب الرحمٰن خاں صاحب ایس ایس ایم ڈی ایف سی سی پی امریکہ، اور برادر محترم جناب مولانا طاہر المکی صدر قرآنی مرکز کی خدمت میں ہدیۂ تشکر و امتنان پیش کرتا ہوں کہ اوّل الذکر کی عنایات اور مالی جدوجہد اور ثانی الذکر کی محبت، علمی تعاون اور زرّیں مشوروں سے میں ''فقہ القرآن'' ''کتاب الحدود'' کے ''باب الرجم'' کو ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرسکا۔

فجزاھما اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ آمین

عمر احمد عثمانی

☆☆☆

فہرست مضامین

فقہ القرآن کے متعلق قدیم و جدید اہل علم کے تأثرات اور مشہور اردو انگریزی اخبارات کے تبصرے/۱۱

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا (مؤلف تبلیغی نصاب) ۱۲
مفکر اسلام مولانا اسحٰق صدیقی ۱۲
مولانا سعید احمد اکبر آبادی (صدر دینیات علی گڑھ یونیورسٹی) ۱۲
مولانا محمد طاسین (مہتمم مجلس علمی، بنوری ٹاؤن) ۱۳
مولانا جعفر شاہ صاحب ندوی ۱۳
مولانا خالد مسعود (جانشین مولانا امین احسن اصلاحی) ۱۴
جسٹس قدیر الدین احمد (سابق چیف جسٹس مغربی پاکستان) ۱۵
جسٹس آفتاب حسین (سابق چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت) ۱۵
جسٹس عبدالقدیر چودھری (چیف جسٹس بلوچستان ہائی کورٹ) ۱۶
جناب خالد اسحٰق ایڈووکیٹ (ملک کے نامور ماہر دستور و قانون) ۱۶
روزنامہ ''ڈان'' کراچی ۱۷
روزنامہ ''پاکستان ٹائمز'' لاہور ۱۷
روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۱۷
روزنامہ ''جسارت'' کراچی ۱۸
ہفت روزہ ''تکبیر'' کراچی ۱۸

عرضِ ناشر/۱۹

ادارے کی طرف سے طبع دوم پر عرضِ ناشر/۲۱

(مسلک احناف، مولانا عبیداللہ سندھی، علامہ انور شاہ کشمیری و مولانا حمید الدین فراہی، ایک تازہ کتاب حقیقتِ رجم، ۳۷ ہم خیال علماء کی فہرست)

تعارف کتاب از مفتی محمد طاہر المکی/۲۷

علامہ انور شاہ کی تحقیق ۲۹
شادی شدہ کے لیے بھی اصلی حد صرف کوڑے ہیں ۲۹
جہاں تک ممکن ہو رجم کو ساقط کیا جائے ۳۰
شریعت رجم کی اہمیت بڑھانا نہیں چاہتی ۳۰
عرب اور غیر عرب علماء کی تائید ۳۱
مؤلف کتاب کا نقطۂ نظر ۳۲
رجم کا انکار نہیں ۳۳
ہماری گزارش ۳۴
عثمانی صاحب کے مخالفین ۳۴
لدھیانوی صاحب اور علامہ انور شاہؒ ۳۵
لدھیانوی صاحب اور شاہ ولی اللہؒ ۳۵
لدھیانوی تحقیقات کا خلاصہ ۳۶
احناف کی حقیقت شناسی ۳۷
عثمانی صاحب پر بلاوجہ ناراضگی ۳۷
اہلحدیث اور عثمانی صاحب ۳۸
کیا امام بخاریؒ پر تنقید کفر ہے؟ ۳۹
کیا دو تہائی بخاری غلط ہے؟ ۳۹
امام بخاریؒ کو معصوم نہ منوایئے ۴۱
امام بخاریؒ پر امام مسلمؒ کی تنقید ۴۱

طبع دوم کے موقعے پر ایک الزام کا جواب/۴۲

دراسات اللبیب کے سرورق کا عکس/۴۵

عرض مؤلف/۴۷

کتاب الحدود : زنا کی سزا اور رجم/۴۹

حدِ زنا قرآن کی روشنی میں ۵۳
مولانا عبیداللہ سندھی ۵۵
رجم کی تاریخ ۵۹
تورات کے مطابق آنحضرتؐ کا عمل ۶۲
تورات میں رجم ۶۳
رجم پر آسمانی مذاہب کا اجماع ؟ (رجم کے حکم کو مسیحؑ نے منسوخ کر دیا تھا) ۶۴
رجم قرآن میں ۶۷
عجیب وغریب دعویٰ ۶۸
سورۂ النور کی آیت کے بعد ۷۴
سورۃ النور کا نزول ۷۷
بانداز دیگر ۸۲
اَلْمُحْصَنٰت کا الف و لام ۸۴
مَاعَلیٰ الْمُحْصَنٰت کی نئی تفسیر ۸۸
للعاہر الحجر کی غلط توضیح ۹۰
علامہ ابو زہرہؒ مصری کی رائے ۹۳
علامہ علی علی منصور ۹۵
استاذ مصطفیٰ زرقاء ۹۵
شیخ محمود شلتوت شیخ الازہر کی رائے ۹۵
الزیادۃ علی القرآن ۹۸
جلاوطنی کی سزا ۹۹
خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی ۱۰۰
خلاصۂ بحث ۱۰۲

شیخ ابوزہرہؒ کا اعتراض ۱۰۴
رجم پر اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں ۱۰۵
پاکستان کے اکابرین ۱۰۶
سنت متواترہ کا دعویٰ ۱۰۷
سنت مشہورہ سے کتاب اللہ پر زیادت ۱۰۹
زیادت اور نسخ ۱۱۰
خبر مشہور سے زیادت ۱۱۱
سنت ثابتہ ۱۱۲
اجماع کا دعویٰ ۱۱۳
حقیقت واقعہ ۱۱۵
احادیثِ رجم ۱۲۰
حضرت عمرؓ کا ارشاد ۱۲۳
نسخ کا دعویٰ ۱۲۵
حضرت عمرؓ کی روایت ۱۲۸
مفروضہ آیت کے الفاظ اور اسلوب ۱۲۹
مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ ۱۳۱
مولانا امین احسن اصلاحی ۱۳۱
حضرت علیؓ کی روایت ۱۳۶
حضرت انسؓ کی روایت ۱۳۷
حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت ۱۳۷
حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ ۱۳۸
خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں رجم ۱۴۴
رجم حد نہیں تعزیر ہے ۱۴۵

کتب حوالہ/ ۱۴۹

☆☆☆

''فقہ القرآن'' کے متعلق قدیم و جدید اہل علم کے تأثرات اور مشہور اردو انگریزی اخبارات کے تبصرے

مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت فقہ القرآن کی دس جلدیں ہیں قارئین جس عنوان سے دلچسپی رکھتے ہوں اسے حاصل کر کے اپنے ذوق کی تسکین فرما سکتے ہیں۔ پوری سیریز خریدنے کی ضرورت نہیں:

۱۔ فقہ القرآن: عبادات (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ)
۲۔ فقہ القرآن: خاندانی معاملات (نکاح وطلاق وغیرہ)
۳۔ فقہ القرآن: حقوق نسواں اور باہمی حقوق
۴۔ فقہ القرآن: شہادت و دیت نسواں
۵۔ فقہ القرآن: حدود وتعزیرات اور قصاص
۶ فقہ القرآن: رجم اصل حد ہے یا تعزیر
۷۔ فقہ القرآن: وصیت و وراثت
۸۔ فقہ القرآن: عدلیہ اور اجماع
۹۔ فقہ القرآن: سیرتِ طیبہ کے ازدواجی معاملات
۱۰۔ فقہ القرآن: بغاوت و خارجیت اور قصاصِ عثمانؓ و بیعتِ رضوان

ان عنوانات پر مشتمل فقہ القرآن کی مجلدات پر دانش قدیم و جدید کے تأثرات کی جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

تبلیغی نصاب کے مؤلف اور مؤطا شریف، بخاری شریف، ترمذی شریف کے شارح، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری مہاجر مدنی کے دعائیہ کلمات

''تم نے جو لکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ارشادات سب کے سب قرآن سے ماخوذ ہیں بالکل صحیح لکھا۔ اللہ تعالیٰ تمھاری کوشش کو بار آور کرے۔ اللہ تعالیٰ تمھیں لغزشوں سے محفوظ رکھے، لغزش تو پیارے کس سے نہیں ہوتی؟ اللہ تعالیٰ سب کو معاف کرے، اپنی طرف سے دیدہ و دانستہ نہیں کرنی چاہیے اتنا ہی بہت ہے۔ تمھارے لیے واقعی دل سے دعا نام لے کر بھی اور بغیر نام لیے تو بہت کثرت سے کرتا ہوں، تم تو میرے قدیم لاڈلے ہو، اور استاذی اعلیٰ اللہ تعالیٰ مرقدہٗ☆ کے یادگار ہو۔ اللہ تمھیں ہر لغزش سے محفوظ رکھے۔ تمھاری تصانیف کو قبول فرمائے۔ لوگوں کو ان سے منتفع فرمائے''۔ (تفصیل کے لیے ''فقہ القرآن، شہادت و دیت نسواں'' والی جلد ملاحظہ ہو)۔

مفکر اسلام مولانا محمد اسحٰق صدیقی ندوی سابق شیخ الحدیث و مفتی و مہتمم ندوہ لکھنؤ صدر شعبۂ دعوت و ارشاد، بنوری ٹاؤن کراچی کے ارشادات

یوں تو ''فقہ القرآن'' کے تمام مباحث علمی اور اعلیٰ پیمانے کے ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ ازواجہ و اصحابہ وسلم کی ازدواجی زندگی کے متعلق افسانوں کی جس طرح مدلل وضاحت کی گئی ہے اس کے نتیجے میں آپ اور مولانا طاہر مکی اور ادارہ کے تمام حضرات نے جنت کا سامان مہیا کرلیا ہے اللہ تعالیٰ ان محنتوں کو زیادہ سے زیادہ آگے بڑھائے اور امت کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن، شیخ الہند اکیڈمی دیوبند کے ڈائریکٹر، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ دینیات کے صدر مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا ارشاد

ادارۂ فکر اسلامی قابل مبارک باد ہے جس نے اس قدر عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھایا

☆ یعنی مولانا عمر احمد عثمانی کے والد شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی جو شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب، مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا احتشام الحق تھانوی کے استاد تھے۔

اور عزیزم مولانا عمر احمد عثمانی (جنھیں میں دلّی کے زمانے سے جانتا ہوں) مستحق تحسین ہیں کہ وہ اس پل صراط سے نہایت سلامت روی سے گزر رہے ہیں۔ ان کی تحریر سنجیدہ و عالمانہ ہے۔ بزرگوں سے جہاں کہیں بھی اختلاف کیا ہے شائستگی اور وقار کے ساتھ کیا ہے بلکہ یہ اس کتاب کا طرۂ امتیاز ہے۔

علمی کام کرنے والوں کو فتووں اور ہنگاموں سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ امام اعظم نے جب علمی کام کیا تھا تو کیا ہنگامے نہیں ہوئے تھے؟ امام بخاری پر ان کی ایک علمی جدت کی وجہ سے امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں جتنی تلخ و ترش تنقید کی ہے کیا وہ کسی صاحب علم سے پوشیدہ ہے؟ لیکن آج سب دیکھ رہے ہیں کہ امام اعظم کے علمی کام اور امام بخاری کی علمی جدت کو سکہ رائج الوقت کی حیثیت حاصل ہے اور ان حضرات کے مخالفین کے فتوے اور مخالفتیں سب دھری کی دھری رہ گئیں۔ (''فقہ القرآن، شہادت و دیت نسواں'' والی جلد)

معاشیات اسلامی کے ماہر مولانا محمد طاسین صاحب مہتمم مجلس علمی بنوری ٹاؤن (مولانا یوسف بنوری کے بڑے داماد)

میں جب اسلامی نظریاتی کونسل کے سلسلے میں اسلام آباد گیا تو اس کے چیئرمین نے ''فقہ القرآن'' کا بڑا تعریفی تذکرہ کیا اور کہا کہ آپ بھی اس کا ضرور مطالعہ کریں۔ میں نے ان سے ہنستے ہوئے گزارش کی کہ آپ نے تو اس کتاب کا صرف مطالعہ کیا ہے، میں نے نہ صرف مطالعہ کیا ہے بلکہ مجھے اس کے روح رواں مولانا طاہر مکی اور اس کے مؤلف مولانا عمر احمد عثمانی سے صدیقانہ اور برادرانہ تعلق کی سعادت بھی حاصل ہے۔

''فقہ القرآن'' کی معاشیات سے متعلق جلد پر نظر ثانی میں شرکت کے لیے میں ہر وقت حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو ہمت و استقامت عطا کرے اور علمائے سوء کے فتنہ اور شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

برصغیر کی مشہور علمی خانقاہ پھلواروی شریف کے سجادہ نشین اور سرسیّد و علامہ اقبال کے ممدوح حضرت شاہ سلیمان پھلواروی کے صاحبزادے سیّد العلماء مولانا جعفر شاہ صاحب ندوی پھلواروی کے کلماتِ تقریظ

ندوۃ العلماء کے پہلے اجلاس منعقدہ کانپور میں فقہ کی تدوین جدید کی تجویز حضرت

ان عنوانات پر مشتمل فقہ القرآن کی مجلدات پر دانش قدیم و جدید کے تأثرات کی جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

تبلیغی نصاب کے مؤلف اور مؤطا شریف، بخاری شریف، ترمذی شریف کے شارح، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری مہاجر مدنی کے دعائیہ کلمات

''تم نے جو لکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ارشادات سب کے سب قرآن سے ماخوذ ہیں بالکل صحیح لکھا۔ اللہ تعالیٰ تمھاری کوشش کو بار آور کرے۔ اللہ تعالیٰ تمھیں لغزشوں سے محفوظ رکھے، لغزش تو پیارے کس سے نہیں ہوتی؟ اللہ تعالیٰ سب کو معاف کرے، اپنی طرف سے دیدہ و دانستہ نہیں کرنی چاہیے اتنا ہی بہت ہے۔ تمھارے لیے واقعی دل سے دعا نام لے کر بھی اور بغیر نام لیے تو بہت کثرت سے کرتا ہوں، تم تو میرے قدیم لاڈلے ہو، اور استاذی اعلیٰ اللہ تعالیٰ مرقدہٗ☆ کے یادگار ہو۔ اللہ تمھیں ہر لغزش سے محفوظ رکھے۔ تمھاری تصانیف کو قبول فرمائے۔ لوگوں کو ان سے منتفع فرمائے''۔ (تفصیل کے لیے ''فقہ القرآن، شہادت و دیت نسواں'' والی جلد ملاحظہ ہو)۔

مفکر اسلام مولانا محمد اسحٰق صدیقی ندوی سابق شیخ الحدیث و مفتی و مہتمم ندوہ لکھنؤ صدر شعبۂ دعوت و ارشاد، بنوری ٹاؤن کراچی کے ارشادات

یوں تو ''فقہ القرآن'' کے تمام مباحث علمی اور اعلیٰ پیمانے کے ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ ازواجہ و اصحابہ وسلم کی ازدواجی زندگی کے متعلق افسانوں کی جس طرح مدلل وضاحت کی گئی ہے اس کے نتیجے میں آپ اور مولانا طاہر مکی اور ادارہ کے تمام حضرات نے جنت کا سامان مہیا کرلیا ہے اللہ تعالیٰ ان محنتوں کو زیادہ سے زیادہ آگے بڑھائے اور امت کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن، شیخ الہند اکیڈمی دیوبند کے ڈائریکٹر، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ دینیات کے صدر مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا ارشاد

ادارۂ فکر اسلامی قابل مبارک باد ہے جس نے اس قدر عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھایا

☆ یعنی مولانا عمر احمد عثمانی کے والد شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی جو شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب، مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا احتشام الحق تھانوی کے استاد تھے۔

اور عزیزم مولانا عمر احمد عثمانی (جنھیں میں دلّی کے زمانے سے جانتا ہوں) مستحق تحسین ہیں کہ وہ اس پل صراط سے نہایت سلامت روی سے گزر رہے ہیں۔ ان کی تحریر سنجیدہ و عالمانہ ہے۔ بزرگوں سے جہاں کہیں بھی اختلاف کیا ہے شائستگی اور وقار کے ساتھ کیا ہے بلکہ یہ اس کتاب کا طرۂ امتیاز ہے۔

علمی کام کرنے والوں کو فتووں اور ہنگاموں سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ امام اعظم نے جب علمی کام کیا تھا تو کیا ہنگامے نہیں ہوئے تھے؟ امام بخاری پر ان کی ایک علمی جدت کی وجہ سے امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں جتنی تلخ و ترش تنقید کی ہے کیا وہ کسی صاحب علم سے پوشیدہ ہے؟ لیکن آج سب دیکھ رہے ہیں کہ امام اعظم کے علمی کام اور امام بخاری کی علمی جدت کو سکہ رائج الوقت کی حیثیت حاصل ہے اور ان حضرات کے مخالفین کے فتوے اور مخالفتیں سب دھری کی دھری رہ گئیں۔ (''فقہ القرآن، شہادت و دیت نسواں'' والی جلد)

معاشیات اسلامی کے ماہر مولانا محمد طاسین صاحب مہتمم مجلس علمی بنوری ٹاؤن (مولانا یوسف بنوری کے بڑے داماد)

میں جب اسلامی نظریاتی کونسل کے سلسلے میں اسلام آباد گیا تو اس کے چیئرمین نے ''فقہ القرآن'' کا بڑا تعریفی تذکرہ کیا اور کہا کہ آپ بھی اس کا ضرور مطالعہ کریں۔ میں نے ان سے ہنستے ہوئے گزارش کی کہ آپ نے تو اس کتاب کا صرف مطالعہ کیا ہے، میں نے نہ صرف مطالعہ کیا ہے بلکہ مجھے اس کے روح رواں مولانا طاہر مکی اور اس کے مؤلف مولانا عمر احمد عثمانی سے صدیقانہ اور برادرانہ تعلق کی سعادت بھی حاصل ہے۔

''فقہ القرآن'' کی معاشیات سے متعلق جلد پر نظر ثانی میں شرکت کے لیے میں ہر وقت حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو ہمت و استقامت عطا کرے اور علمائے سوء کے فتنہ اور شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

برصغیر کی مشہور علمی خانقاہ پھلواروی شریف کے سجادہ نشین اور سرسیّد و علامہ اقبال کے ممدوح حضرت شاہ سلیمان پھلواروی کے صاحبزادے سیّد العلماء مولانا جعفر شاہ صاحب ندوی پھلواروی کے کلماتِ تقریظ

ندوۃ العلماء کے پہلے اجلاس منعقدہ کانپور میں فقہ کی تدوین جدید کی تجویز حضرت

قبلہ مولانا شاہ سلیمان پھلواروی نے اپنی تقریر میں پیش فرمائی تھی۔ یہ پوری تقریر سرسیّد نے اپنے اخبار ''تہذیب الاغلاق'' (مؤرّخہ یکم محرم ۱۳۱۳ھ) میں شائع کی۔ اس میں صرف فقہ ہی نہیں بلکہ تاریخ وتصوف اور دیگر علوم پر بھی نظرثانی پر زور دیا گیا تھا۔ پھر کچھ عرصہ بعد علامہ اقبال نے کہا کہ

> ''وہ شخص اس دور کا مجدد ہوگا جو قرآن کریم کی روشنی میں مسلمانوں کے لیے ایک جدید فقہ مرتب کردے''۔ (اقبال نامہ، علامہ اقبال کا خط پروفیسر صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کے نام)

قیام پاکستان کے بعد راقم الحروف نے بھی یہ سوال بار بار اٹھایا، محض زبانی نہیں بلکہ بہت سے معاشرتی، سیاسی، تاریخی، ازدواجی اور دوسرے فقہی مسائل پر بلاخوف لومۃ لائم اپنی آزادانہ رائے شائع کردی جس کے عوض ایک ساتھ دعائیں بھی لیں اور گالیاں بھی۔

مگر آج غلط نہ ہوگا اگر ہم یہ کہیں کہ علامہ اقبال کی آرزو کی تکمیل حضرت علامہ عمر احمد عثمانی ابن شیخ الحدیث علامہ ظفر احمد تھانوی کی شکل میں ابھر رہی ہے اور ان شاء اللہ یہی خواب اقبال کی تعبیر ثابت ہوں گے اور اسلامی قانون سازی کے لیے ان کی یہ کتاب بلاشبہ روشنی کا مینار ثابت ہوگی۔

فراہی مکتب فکر کے امام ثانی مولانا امین احسن اصلاحی کے جانشین مولانا خالد مسعود صاحب کے سہ ماہی ''تدبر'' لاہور (اپریل ۱۹۸۶ء) کے تبصرے کی جھلکیاں

ادارۂ فکر اسلامی کراچی نے ایک نہایت قابل ستائش قدم اٹھایا ہے۔ اس ادارے نے فقہ کی ایسی کتاب تیار کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے جو پوری اسلامی فقہ کو سامنے رکھ کر مرتب کی گئی ہو۔ کتاب تصنیف کرنے کے لیے ادارے نے مولانا عمر احمد عثمانی سے رجوع کیا جو ملک کے معروف دینی وعلمی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں اور مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔ اس اعتبار سے ان کا انتخاب نہایت موزوں ہے۔ مولانا نے ''فقہ القرآن'' کے نام سے ایک سلسلۂ کتب تیار کردیا ہے جس کی جلد ششم ہمارے پیش نظر ہے۔

ہماری قوم کی یہ بدقسمتی ہے کہ جمود اور تقلید کی جڑیں اس قدر گہری ہوچکی ہیں کہ دین کی حدود کے اندر رہتے ہوئے بھی اگر کوئی عالم، خواہ کتنے ہی خلوص کے ساتھ، عام موقف سے

ہٹ کر کوئی نئی تحقیق پیش کرے تو لوگ اس پر کفر یا کم از کم انکار حدیث کا لیبل چسپاں کرنے میں تاخیر نہیں کرتے۔ اگر کچھ لوگ مولانا عثمانی کے متعلق بھی یہی طرز عمل اختیار کرتے ہیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں اسے نظرانداز کرنا چاہیے۔

جناب جسٹس قدیرالدین احمد سابق چیف جسٹس مغربی پاکستان وسابق گورنر سندھ

میں نے ''فقہ القرآن'' کی مجلدات کا مطالعہ کیا اور یہ معلوم کر کے دلی خوشی ہوئی کہ ''فقہ القرآن'' کا مقصد ایک عظیم خدمت کی انجام دہی ہے اور ایک ایسے خیال کی تائید ہوئی ہے جو بار بار میرے دل و دماغ پر چھا چکا تھا لیکن میں اپنی کم بضاعتی کے سبب اس طرف توجہ نہیں دے سکا تھا، وہ خیال یہ تھا کہ ہمارے پاس ایک فرقے کی فقہ تو موجود ہے لیکن ایسی فقہ میسر نہیں ہے جو فرقہ وارانہ ترجیحات سے بلند تر ہو، اور خالص اسلامی فقہ کہلائی جاسکے۔

مؤلف وسعت نظری کے قائل ہیں تنگ نظری کے نہیں جو راستہ انھوں نے اپنے لیے مقرر کیا ہے وہ دشوار گزار ہے اور جو منزل متعین کی ہے وہ جدید ہے۔ مگر اس کا امکان کہاں ہے کہ اس فقہ کا نفاذ ہو جو سب فرقوں کے اعتقاد سے گزر کر براہ راست کلام اللہ سے اخذ کی گئی ہو۔

ان حالات میں مولانا عمر احمد عثمانی کی یہ دعوت کہ براہ راست کلام پاک کے احکام کی طرف آؤ ایک مجاہدہ ہے۔ اس کوشش میں ان کی کامیابی دنیائے اسلام کے لیے اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے باعث فخر اور سعادت ہوگی۔ (تفصیل کے لیے ''فقہ القرآن، وصیت و وراثت'' والی جلد ملاحظہ ہو)۔

جناب جسٹس آفتاب حسین صاحب چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت

وفاقی شرعی عدالت کا چیف جسٹس ہونے کے بعد میرے سامنے جناب انصار برنی ایڈووکیٹ کی ایک درخواست پیش ہوئی۔ اس دوران ''فقہ القرآن'' کی تیسری جلد، پہلی مرتبہ میری نظر سے گزری اور مولانا عمر احمد عثمانی کے بصیرت افروز خیالات اور عورتوں کے متعلق موضوعات پر ان کے شرعی دلائل پڑھ کر مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ ہمارے علمائے کرام میں ایسے باہمت اور جری لوگ موجود ہیں جو اپنے انقلابی خیالات کو صفحۂ قرطاس پر لانے سے بالکل نہیں گھبراتے۔ مجھے بارہا ایسے علماء سے سابقہ پڑا ہے جو ان معاملات میں میرے ہم خیال تھے لیکن علماء کی محفل میں ان خیالات کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ تحریر کی جرأت سب سے پہلے مولانا عمر احمد عثمانی کو

ہوئی۔ ان کے بعد پروفیسر طاہرالقادری کے مضامین بھی عورت کی نصف دیت کی مخالفت میں شائع ہوئے جناب ریاض الحسن نوری صاحب نے بھی بذریعہ مضمون اور مذاکرہ اسی نقطۂ نظر کی تائید کی۔ مشہور اہلحدیث عالم مولانا محمد حنیف ندوی نے بھی اس کے حق میں بیان دیا۔

آخر میں، میں مولانا عمر احمد عثمانی صاحب کو ان کتابوں کی تالیف پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ خدا ان کو مسلمانوں کی رہبری کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ (تفصیل ''فقہ القرآن، شہادت و دیت نسواں'' والی جلد میں)

محترم جسٹس عبدالقدیر چودھری چیف جسٹس بلوچستان ہائی کورٹ

جناب علامہ عمر احمد عثمانی جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں ملت اسلامیہ کے مجموعی شعور سے باخبر ہیں۔ اس میدان میں اپنی خداداد صلاحیتوں کے جوہر دکھانے میں کامیاب رہے ہیں۔ فاضل مصنف نے کتاب وسنت اور فقہ کی مستند کتابوں کی روشنی میں انتہائی اہم بنیادی مسائل جیسے القضاء اور اجماع کا جائزہ لیا ہے۔ ان کی صائب رائے، اہل نظر کے لیے اپنے اندر دعوت فکر کا زبردست سامان رکھتی ہے۔ فاضل مصنف نے گہری تحقیق کی ہے۔ مجھے امید واثق ہے کہ ان کی مخلصانہ محنت کو بنظر استحسان دیکھا جائے گا۔ اور اہل علم حضرات بالعموم اور علماء، قانون ساز اداروں کے اراکین اور وکلا بالخصوص مفید پائیں گے۔

ملک کے نامور ماہر دستور و قانون جناب خالد اسحٰق ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

''فقہ القرآن'' کی مجلدات خصوصاً الرجم اور حقوق نسواں علمی حلقوں میں خاصی شہرت پاچکی ہیں۔ مولانا عمر احمد عثمانی نے (مروجہ فقہ کا) قرآن کی روشنی میں از سرنو جائزہ لیا ہے۔ سالہا سال کیا؟ صدیوں کے تقدس کے غلافوں نے صاحبِ تصنیف کی تنقیدی نگاہ کو نہیں روکا۔ جہاں بھی مولانا نے تاریخی فقہ کو قرآن سے ٹکراتے پایا ہے وہاں اس مسئلے کو بہت ہی محنت کے ساتھ دیکھا اور پرکھا ہے اور جو کچھ صحیح سمجھا ہے اسے کھول کر بیان کیا ہے۔

اس کتاب کا ایک مستحسن پہلو ''واقعۂ افک'' کے سلسلے میں عثمانی صاحب کی تحقیق ہے۔ علم حدیث کے تمام اصولوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کرب انگیز قصے کی تحقیق کی ہے جو حقیقت میں صاحب کتاب کے لیے توشۂ آخرت کی حیثیت رکھتی ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم

علم حدیث کے سنہرے اصولوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے تاریخی ورثے کو از سرنو جانچیں۔ عین ممکن ہے کہ ہمیں ایسی بہت سی روایات سے چھٹکارا مل جائے جو لاتعداد نیک نیت مسلمانوں کے لیے نہ اٹھا سکنے والا بوجھ بنی ہوئی ہیں۔ کیوں کہ قرآن معیار اوّل ہے اور سنت معیار دوم۔ اور اس کے بعد قدر و منزلت واضح دلیل کی ہے، کسی اونچے نام کی نہیں۔

بہرحال یہ کتاب پڑھنے والوں پر احسان اور مؤلف کے لیے باعث تحسین ہے۔

انگریزی روزنامہ ''ڈان'' کراچی ۲۷ر فروری ۱۹۸۱ء

یہ کتاب ایک تحقیقی کام ہے اور مصنف میں یہ جرأت موجود ہے کہ وہ اپنے پیشروؤں سے اس میدان میں اختلاف کرسکیں۔ جذباتی طور پر نہیں بلکہ علمی استدلال کے ساتھ۔ وہ اسلاف کے اقوال کو نقل ہی نہیں کرتے بلکہ اسلامی فقہ کے چاروں مکاتب فقہ میں پورے علمی انداز سے بغیر کسی قسم کے تعصب کے موازنہ بھی کرتے ہیں۔

مثلاً اس کتاب میں کم سنی کی شادیوں کے تصور پر نہایت مدلل تنقید کی گئی ہے کہ قرآنی آیات سورہ ۴، آیت ۱۹ تا ۲۱ سے واضح ہے کہ کسی بھی آدمی کو کسی بھی عورت سے بغیر اس کی مرضی کے نکاح نہیں کرنا چاہیے اور نساء کا لفظ بالغ عورتوں کے لیے ہی بولا جاتا ہے نابالغ لڑکیوں کو نساء نہیں کہا جاتا۔ نیز ارشاد ہے کہ شادی کے معاملے میں کوئی جبر اور زبردستی نہیں ہونی چاہیے سورہ ۴، آیت ۱۹، پھر حضرت عائشہ صدیقہؓ کی نکاح کے وقت عمر پر مفصل و مدلل گفتگو کر کے واضح کردیا ہے کہ ان کی نکاح کے وقت عمر مندرجہ بالا قرآنی آیات کے عین مطابق تھی۔

روزنامہ ''پاکستان ٹائمز'' لاہور (انگریزی) ۱۷ر اپریل ۱۹۸۱ء

مجموعی طور پر یہ کتاب اسلامی قوانین کی تشکیل جدید کے ضمن میں موجودہ دور کے تقاضوں کی روشنی میں ایک نہایت ہی جرأت مندانہ اقدام ہے۔ تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے بھی یہ کتاب ایک مفید رہنما ثابت ہوگی نیز ان لوگوں کے لیے بھی جو ملک میں اسلامی قوانین نافذ کرنے کا شدید اشتیاق رکھتے ہیں۔

روزنامہ ''جنگ'' کراچی، ۱۰ر اپریل ۱۹۸۱ء

یہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا دور ہے اور ہر طرف اسلامی اقدار کی احیاء کا چرچا ہے۔ اس

ہنگامے میں مسلمانوں کی شدید ضرورت یہ ہے کہ انھیں معلوم ہو کہ اسلام کے بنیادی تقاضے کیا ہیں اور ہمارے لیے کون سے اعمال درجہ اوّل کی اہمیت رکھتے ہیں۔ مؤلف موصوف نے فقہ کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' کو سامنے رکھ کر بتایا ہے کہ ہماری فقہ میں وہ کون سے مسائل ہیں جو قرآن سے ثابت نہیں لہٰذا ان کی وہ بنیادی اہمیت نہیں ہے جو پہلی قسم کے مسائل کی ہوتی ہے۔

روزنامہ ''جسارت'' کراچی، ۸/ مارچ ۱۹۸۱ء

مولانا عمر احمد عثمانی نے بڑی قابلیت و محنت سے قرآنی مسائل کا انسائیکلوپیڈیا مدون کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے اور کتاب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس عظیم دعوے کے ساتھ شروع ہوئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فیصلے سب کے سب قرآن کریم سے مستنبط اور ماخوذ ہیں۔ یہ دعویٰ جتنا چونکا دینے والا ہے، اس کا ثبوت اس سے بھی زیادہ چونکا دینے والا ہے۔ چنانچہ بہت سی باتیں، واقعہ یہ ہے کہ مصنف نے پہلی مرتبہ بے نقاب کی ہیں۔

فقہی نقطۂ نظر سے اظہار رائے کا حق تو علمائے کرام اور مفتیان عظام ہی کو حاصل ہے، لیکن اتنا کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ موصوف کو حق تعالیٰ نے علم دیا ہے اور قلم میں طاقت دی ہے کہ وہ اپنے علم کو سلیقے کے ساتھ پیش کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور اپنے قاری کو قرآنی دلائل سے پوری طرح مطمئن کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو اسلام کی مزید خدمت کرنے کا موقعہ عنایت فرمائے اور وہ اپنے مشن کو مکمل کر سکیں۔ آمین۔

ہفت روزہ ''تکبیر'' کراچی، یکم فروری ۱۹۹۰ء

ممتاز عالم دین مولانا عمر احمد عثمانی کی مبسوط کتاب ''فقہ القرآن'' کی آٹھویں جلد میں علامہ شوکانی کی اصول فقہ کی کتاب کے باب الاجماع کا ترجمہ اور مختلف ائمہ کے نزدیک اجماع کی حیثیت کو نہایت عمدگی سے پیش کیا گیا ہے۔

امید ہے کہ ''فقہ القرآن'' پر مبنی یہ محققانہ تالیف علماء اور اہل فکر و نظر میں پسند کی جائے گی اور اسلامی آئین وقوانین پر تحریر کردہ کتب میں ایک بیش بہا اضافہ ثابت ہوگی۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

اللہ کے اس فضل و کرم اور احسان کا کس طرح شکریہ ادا کیا جائے کہ اُس نے ''فقہ القرآن'' کی شکل میں اپنے چند ناتواں بندوں سے وہ عظیم کام لے لیا جو کسی سرکاری یا طاقتور پشت پناہی رکھنے والے عوامی ادارے نے کیا ہوتا تو اس کے لیے بھی قابل فخر سمجھا جاتا۔

پھر کرم پر کرم یہ کہ اسے علمی سطح پر وہ پذیرائی حاصل ہوئی جس سے زیادہ کی توقع نہیں کی جاسکتی یعنی وفاقی شرعی عدالت نے اس کی بنیاد پر اپنے فیصلے دیے اور شہادت و دیت نسواں والی جلد پر وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس نے بھرپور تعریفی دیباچہ لکھا۔

اس کے علاوہ علمائے کرام اور دانشوروں کے حلقے میں اسے جس طرح پسند کیا گیا اس کی جھلکیاں آپ آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں گے۔

''فقہ القرآن'' کا مطالعہ کرنے والے حضرات کو اس بات کا علم ہے کہ ہم نے اس کام کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے خیر کثیر والے ارشاد کی روشنی میں کی تھی جس کی طرف حضرت شاہ ولی اللہ کے سب سے مشہور اور مستند شارح مولانا عبیداللہ سندھی نے بڑی اہمیت کے ساتھ اپنے مقالہ ''حکمت ولی اللہی کا اجمالی تعارف'' (مطبوعہ الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر) میں توجہ دلائی ہے۔

ہم نے ''فقہ القرآن'' جلد اوّل میں لکھا تھا:

امام ربانی قطب العالم حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''خیر کثیر'' میں فرمایا ہے:

> ''ہم نے ان تمام احادیث کو تلاش کیا جو ہم تک پہنچی ہیں اور جن کا تعلق کتاب الصلوٰۃ سے ہے اور ہم نے ان پر غور کیا تو ہم پر یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ سب کی سب کتاب اللہ ہی سے مستنبط ہیں، اور یہ استنباط خاص حکمت پر مبنی ہوتا تھا، اور ممکن ہے ہم کسی وقت ان اجتہادات و

استنباطات کو ایک مستقل رسالے میں جمع کر دیں۔ (خیر کثیر ص ۸۷)

آپ نے حضرت شاہ صاحب کا یہ ارشاد ملاحظہ فرمالیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل قرآن کریم سے کوئی الگ چیز نہیں تھے بلکہ قرآن سے ہی ماخوذ اور مستنبط تھے کیوں کہ خود رسول اللہؐ کا یہ ارشاد قرآن کریم میں موجود ہے:

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَایُوْحیٰ اِلَیَّ

میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

(۱۰/۱۵، ۱۰۳/۷، ۶/۵۰)

مگر حضرت شاہ صاحب اپنی اس آرزو کی تکمیل نہ کر سکے۔ اب یہ سعادت حضرت شاہ صاحب کے سب سے بڑے شارح مولانا عبیداللہ سندھی کے شاگردِ رشید مولانا عمر احمد عثمانی کے ہاتھوں پوری ہو رہی ہے۔'' (دیباچہ جلد اوّل)

شاہ صاحب کے اس اصول کی روشنی میں، ہم نے فقہ کے تمام ابواب کو قرآن کریم کے معیار پر کھنگالا اور اپنی تمام محنت تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس طویل سفر میں ظاہر ہے ہمیں قدم قدم پر شاہ ولی اللہ کے سب سے بڑے شارح مولانا عبیداللہ سندھی سے مدد ملی جس کا اظہار ہم، مولانا سندھی کے مشہور شاگرد مولانا سعید احمد اکبر آبادی ڈائریکٹر شیخ الہند اکیڈمی، دیوبند اور ممبر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے کلماتِ ترحیب کے شروع میں کر چکے ہیں۔

مسئلۂ رجم کو قرآن کریم کی روشنی میں دیکھتے ہوئے ہمیں پھر مولانا سندھی سے راہنمائی حاصل ہوئی اور ان کی عربی تفسیر الہام الرحمٰن کی روشنی میں ان کے شاگرد مولانا عمر احمد عثمانی نے اس عنوان پر رجم حد ہے یا تعزیر کے نام سے کتاب لکھی جسے پہلے خواجہ حفیظ برادران نے شائع کیا اس کا خلاصہ ایک مقالے کی صورت میں ماہنامہ ''فاران'' کراچی میں بھی شائع ہوا۔ اب ہمارا ادارہ فکر اسلامی اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

☆☆☆

ادارے کی طرف سے طبع دوم پر عرضِ ناشر

اللہ کے فضل وکرم سے ہماری شائع کردہ کتاب ''رجم حد ہے یا تعزیر'' توقع سے زیادہ مقبول ہوئی اور بہت سے اہل علم نے اس کی تائید میں اپنے اپنے انداز میں خامہ فرسائی کی۔

کتاب کا مطالعہ کرنے والے قارئین کرام اس بات سے واقف ہوں گے کہ حدیث میں کنوارے زانی اور شادی شدہ زانی دونوں کے لیے دو سزائیں بتائی گئی ہیں۔ کنوارے زانی کے لیے پہلی سزا سو کوڑے اور دوسری سزا جلاوطنی بتائی گئی ہے اور شادی شدہ زانی کے لیے پہلی سزا تو سو کوڑے ہی ہیں اور دوسری سزا رجم قرار دی گئی ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک اس حدیث میں کنوارے زانی کے لیے جو دو سزائیں بتائی گئی ہیں ان میں سے پہلی سزا تو اصل حد ہے مگر دوسری سزا حد نہیں بلکہ تعزیر ہے۔ باقی تمام فقہاء اس سے متفق نہیں، وہ حدیث میں بیان کردہ دونوں سزاؤں کو حد سمجھتے ہیں دوسری سزا کو تعزیر نہیں سمجھتے۔

احناف کے اس اصول کی روشنی میں دارالعلوم دیوبند کے ایک نومسلم عالی دماغ فاضل مولانا عبید اللہ سندھی نے اسی حدیث میں بیان کردہ شادی شدہ زانی کے لیے بھی جو دو سزائیں بیان کی گئی ہیں (یعنی نمبر ۱ سو کوڑے کی سزا، نمبر ۲ رجم کی سزا) ان میں سے پہلی سزا (سو کوڑے) کو اصل حد قرار دیا ہے اور دوسری سزا (رجم) کو تعزیر قرار دیا ہے۔ اس طرح قرآن کریم کی آیت اور حدیث اپنی اپنی جگہ مکمل درست ثابت ہوتی ہیں اور قرآن و حدیث میں جو ٹکراؤ پیدا کیا جاتا تھا وہ حل ہو جاتا ہے۔

مولانا سندھی کی مزید خوش قسمتی یہ ہوئی کہ ان کی یہ تحقیق ان کے دو ہمعصر علماء نے بھی قبول کر لی جو اپنے اپنے حلقے کے امام تھے۔ ان میں سے ایک تو علامہ انور شاہ کشمیری ہیں

جو علمائے دیوبند کے سرخیل ہیں، انھوں نے اپنی شرح بخاری میں جو فیض الباری کے نام سے عربی میں چھپ چکی ہے یہی بات کہی ہے اور ان کے افادات کے مجموعے ''مشکلات القرآن'' میں بھی اس کی تائید موجود ہے۔

دوسرے ہمعصر مولانا حمیدالدین فراہی نے اپنی غیر مطبوعہ تفسیر سورۂ نور میں اسی تحقیق کو اپنایا ہے۔ ان دو طاقتور حلقوں میں مولانا سندھی کی تحقیق تسلیم کیے جانے کی وجہ سے ان کے شاگردوں کے ذریعے یہ بات اب چل نکلی ہے۔ مثلاً علامہ انور شاہ کے شاگرد مولانا بدر عالم میرٹھی نے اپنے حاشیہ (عربی) البدرالسادی میں اس کی تائید کی ہے اور مولانا فراہی کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' کی سورۂ نور کی تفسیر میں یہی حقیقت پیش کی ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

مولانا عمر احمد عثمانی (جو تھانوی حلقے سے تعلق رکھنے کے باوجود، مولانا عبید اللہ سندھی کے شاگرد بھی ہیں) کی کتاب ''رجم حد ہے یا تعزیر'' شائع ہونے کے بعد بھارت سے مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اور جماعت اسلامی کے حلقے کی مشہور صاحب علم شخصیت مولانا ڈاکٹر عنایت اللہ سبحانی نے حقیقت رجم کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی ہے جس میں ہماری کتاب سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے مزید تحقیقات کو بڑے سلیقے سے پیش کیا ہے۔ اس میں مولانا حمیدالدین فراہی کے قلمی نسخے کی عربی عبارت، علامہ انور شاہ کشمیری کی عبارات، اپنے استاد مولانا جلیل احسن ندوی اور مولانا اختر احسن اصلاحی (جانشین فراہی) کے اقتباسات پیش کرتے ہوئے کتاب کے آخر میں اپنے ہم خیال ۳۷ مشاہیر اہل علم کے اسمائے گرامی پیش کیے ہیں جن کی تفصیل آگے درج کی گئی ہے۔ (حقیقت رجم کا یہ اقتباس اس کے صفحہ ۲۸۹ سے ۲۹۲ تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ کتاب پاکستان میں بھی فاران پبلشرز، پشاور، پوسٹ بکس ۳۳۷ نے شائع کردی ہے اور مکتبہ الجامعہ ایوب مارکیٹ اسلام آباد سے بھی مل سکتی ہے):

''چند اسمائے گرامی

پچھلے صفحات میں قرآن و سنت کے نہایت محکم دلائل سے یہ بات ثابت کی جاچکی ہے کہ اسلامی قانون میں اصل حد زنا رجم نہیں بلکہ سو کوڑے ہیں اور رجم کی سزا ہمیشہ ان لوگوں کے لیے ہوتی ہے جو اپنے شر و فساد میں حد سے تجاوز کر چکے ہوں۔ اور اب ان کا کوئی علاج نہ رہ گیا ہو سوائے اس کے کہ یہ زمین ان سے پاک کردی جائے۔

چونکہ یہ بات قرآن و سنت اور آثار سلف کے نہایت محکم دلائل سے ثابت ہے اس لیے ہمارا ایمان ہے کہ امت کی اکثریت اسی بات کی قائل رہی ہے اور جو بھی ان دلائل پر غور کرے گا وہ اسی نتیجے تک پہنچنے پر مجبور ہوگا۔

لیکن ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ذیل میں چند ائمۂ کرام اور علمائے عظام کے نام بھی دے دیے جائیں تاکہ جو لوگ اس کتاب کا تفصیلی مطالعہ کرنے کا موقع نہ رکھتے ہوں وہ ان ناموں کی فہرست سے ہی یہ اندازہ کرسکیں کہ اس کتاب میں جو نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے وہ کسی ایک فرد یا ایک طبقے کا نقطۂ نظر نہیں بلکہ عام اہل علم کی بڑی تعداد ہے جو اس نقطۂ نظر کی آج بھی حامی ہے اور پہلے بھی رہی ہے۔

چنانچہ ان بے شمار اہل علم میں سے چند کے نام یہ ہیں:

(۱) امام المحدثین حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲) استاذ امام ترجمان القرآن علامہ حمیدالدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۳) فخر المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴) حضرت علامہ رشید رضا رحمۃ اللہ علیہ (مصر) صاحب تفسیر المنار۔

(۵) بانی تحریک اخوان المسلمون امام حسن البنا شہیدؒ۔

(۶) امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ صاحب تفسیر ترجمان القرآن۔

(۷) الاستاذ الشیخ ابو زہرہؒ (مصر) کم و بیش سو علمی اور تحقیقی کتابوں کے مصنف۔

(۸) علامہ مصطفیٰ زرقاءؒ (سوریا) اسلامی فقہ اور مغربی قوانین کے ممتاز ترین اسکالر، فقہ اور اصول فقہ پر کئی گراں قدر کتابوں کے مصنف۔

(۹) استاذ الاساتذہ حضرت مولانا اختر احسن اصلاحیؒ، سابق شیخ التفسیر مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ۔

(۱۰) استاذ الاساتذہ حضرت مولانا امین احسن اصلاحی دامت برکاتہم، صاحب تفسیر تدبر قرآن۔

(۱۱) حضرت مولانا فتح محمد جالندھریؒ، مترجم قرآن پاک۔

(۱۲) علامہ عبدالوہاب خلافؒ (مصر) مصنف علم اصول الفقہ و مصادر التشریع الاسلامی۔

(۱۳) حضرت مولانا ابواللیث صاحب ندویؒ، سابق امیر جماعت اسلامی ہند۔

(۱۴) حضرت مولانا جلیل احسن ندویؒ، سابق شیخ التفسیر و الحدیث جامعۃ الفلاح۔

(۱۵) استاذ الاساتذہ حضرت مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی دامت برکاتہم، صاحب تفسیر تیسیر القرآن۔

(۱۶) حضرت مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی دامت برکاتہم، مصنف دلائل السنن والآثار ومکتوبات شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ۔

(۱۷) حضرت مولانا داؤد اکبر اصلاحیؒ، سابق شیخ التفسیر جامعۃ الفلاح و مصنف مشکلات القرآن۔

(۱۸) حضر المجید ندویؒ، سابق مہتمم مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر۔

(۲۴) جناب مولانا صغیر احسن اصلاحی، شیخ الحدیث جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ۔

(۲۵) حضرت مولانا سید حامد علی شاہجہاں پوریؒ، بانی ادارۂ شہادت حق و مترجم تفسیر فی ظلال القرآن۔

(۲۶) حضرت مولانا عبدالسلام خاں صاحب دامت برکاتہم، سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ، رام پور۔

(۲۷) جناب مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی، مصنف تذکرۃ المحدثین و ناظم علمی دارالمصنفین، اعظم گڑھ۔

(۲۸) جناب مولانا محمد یوسف صاحب اصلاحی، مدیر ماہنامہ ''ذکری'' و مصنف آداب زندگی و داعی اعظم وقرآنی تعلیمات۔

(۲۹) حضرت مولانا سلمان ندویؒ، سابق ایڈیٹر (الدعوۃ، دہلی)۔

(۳۰) جناب مولانا محمد فاروق خان صاحب، مصنف کلام نبوت، و ہندی مترجم، قرآن وصدر شعبۂ تصنیف وتالیف، علی گڑھ۔

(۳۱) جناب مولانا رفیق احمد قاسمی، تلمیذ رشید حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

(۳۲) جناب مولانا نعیم الدین صاحب مظہری، استاذ تفسیر و ادب جامعۃ الفلاح۔

(۳۳) جناب مولانا صباح الدین صاحب قاسمی، تلمیذ رشید مفتی سعید احمد صاحب، پالن پوری، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند۔

(۳۴) جناب مولانا وحیدالدین خاں صاحب، مدیر ماہنامہ ''الرسالہ'' وصاحب تذکیرالقرآن وعظمت قرآن۔

(۳۵) جناب مولانا محمد عامر صاحب قاسمی، استاذ حدیث وفقہ مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ۔

(۳۶) جناب مولانا نیاز احمد قاسمی ندوی، استاذ حدیث و فقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

(۳۷) سماحۃ الشیخ محمد الغزالی (مصر)، تقریباً ۵۰ علمی و ادبی کتابوں کے مصنف۔''

آخر میں ہم تمام اراکین ادارہ اپنے پروردگار کے حضور جھکی ہوئی نگاہوں سے قرآن کریم کی خدمت کے سلسلے میں حاصل اس سعادت پر حمد وشکر کا نذرانہ پیش کرتے ہیں اور ہر قسم کی سہو وخطا کے لیے اسی کے حضور، خواستگار عفو ہیں اور مصور پاکستان علامہ اقبال کی زبان میں یہ گزارش کرتے ہیں کہ:

گرد لم آئینۂ بے جوہر است
ور بحرفم غیر قرآں مضمر است
پردۂ ناموس فکرم چاک کن
ایں خیاباں راز خارم پاک کن

(ڈاکٹر) حبیب الرحمٰن خاں
صدر ادارۂ فکر اسلامی، کراچی

☆☆☆

تعارفِ کتاب

از مولانا مفتی طاہر المکی
صدر ادارہ المرکز القرآنی، جنرل سکریٹری ادارۂ فکر اسلامی
سرپرست جامعہ مدینۃ العلوم (سابق ناظم اعلیٰ کل پاکستان سنی کونسل)

عام نقطۂ نظر سے ہٹ کر رجم کے متعلق موجودہ دور کے جس صاحب علم کی تحقیقات سب سے پہلے منظر عام☆ پر آئیں وہ دیوبند کے شہرۂ آفاق شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیری تھے۔ یہ وہ عظیم شخصیت ہیں جن کے شاگردوں کی فہرست میں دارالعلوم کورنگی کراچی کے بانی مفتی محمد شفیع مرحوم، جامعہ بنوری ٹاؤن کے بانی مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم اور دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مہتمم قاری محمد طیب صاحب جیسے حضرات شامل ہیں۔

علامہ انور شاہؒ کی تحقیق

علامہ انور شاہ صاحب اپنی املائی شرح بخاری میں فرماتے ہیں (ہم ان کی عربی عبارت کا ترجمہ جامعہ بنوری ٹاؤن کے ترجمان ماہنامہ ''بینات'' کے رجم نمبر (جون جولائی ۸۱ء) کے صفحہ نمبر ۱۱۵ سے نقل کر رہے ہیں تاکہ کسی قسم کی بدگمانی کو راہ نہ مل سکے، صرف سرخیاں ہم نے قائم کی ہیں۔

شادی شدہ کے لیے بھی اصلی حد صرف کوڑے ہیں

میں کہتا ہوں کہ جو بات مجھ پر واضح ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اصل حد زنا تو وہی ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے اور وہ کوڑوں کی سزا ہے رہ گیا رجم، تو وہ ثانوی سزا ہے۔ اس کو قرآن کریم نے اپنے نظم میں اس لیے شامل نہیں فرمایا کہ وہ اس کے ذکر کو گمنام رکھنا چاہتا ہے تاکہ یہ لوگوں سے جس قدر ساقط ہوسکے ساقط ہوجائے۔ لہٰذا کوڑے مارنے کی سزا تو ایسی حد مقصود تھی جو کسی حالت میں بھی ساقط نہ ہونی چاہیے۔

☆ منظر عام پر آنے کی بات اس لیے کہی کہ یہی نقطۂ نظر مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے دوست مولانا حمیدالدین فراہی کا تھا، مگر مولانا سندھی کی عربی تفسیر ''الہام الرحمٰن'' بعد میں شائع ہوئی اور مولانا فراہی کی تفسیر سورۂ نور ابھی تک طبع نہیں ہوئی بلکہ قلمی صورت میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ میں موجود ہے۔

جہاں تک ممکن ہو رجم کو ساقط کیا جائے

رہ گیا سنگسار کرنا تو اگرچہ وہ بھی حد ہے لیکن مقصود یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے اسے ساقط کر دیا جائے پس اگر قرآن نے اس کو بھی اپنے نظم میں شامل کر لیا ہوتا تو اس سے اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے اور اس کے ذکر کو شہرت حاصل ہو جاتی جبکہ مقصود اس کے ذکر کو گمنام رکھنا ہے۔ اور کیوں نہ ہوتا، اگر یہ سزا قرآن میں ذکر کر دی جاتی تو وحی متلو ہوتی جو قیامت تک تلاوت کی جاتی، پس مقصود حاصل نہ ہوتا، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ان دونوں سزاؤں کو جمع فرمایا اور کبھی صرف ایک پر اکتفا کیا۔ اور یہی مطلب ہے اس روایت کا جو فتح الباری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مذکور ہے کہ جب انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آیت رجم لکھوا دی جائے تو فرمایا ''اس کو کیسے لکھو گے، جب کہ لوگ گدھوں کی طرح شہوت رانی کریں گے، مقصد یہ تھا کہ زنا کی تو کثرت ہو کر رہے گی اور اس کی سزا رجم ہے۔

شریعت رجم کی اہمیت بڑھانا نہیں چاہتی

پس اگر اس کو لکھ دیا جاتا تو اس کی اہمیت بڑھ جاتی، پس بہتر یہی ہے کہ رجم عمل میں تو باقی رہے لیکن قرآن کریم میں گمنام رہے۔ اگر میں اس کو قرآن میں لکھ دوں تو اس کا معاملہ مؤکد ہو جائے گا اس صورت میں ساقط کر دینا اس کے مناسب نہ ہوگا جبکہ مقصود یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس کو ساقط کیا جائے۔ (فیض الباری جلد۴۔ ۴۴۸ و ۴۴۹) (بینات کا اقتباس ختم ہوا)

علامہ انور شاہ کی اس تحقیق کی تائید میں اسی شرح کے حاشیہ پر (جلد۴، ص ۴۴۸) مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی نے بھی بعض حوالے پیش کیے ہیں۔ علامہ انور شاہ کشمیری کے تفسیری افادات کے مجموعے ''مشکلات القرآن'' صفحہ ۲۱۳ میں بھی اس کی تائید موجود ہے۔ اس کا ایک جملہ ملاحظہ ہو:

والتغريب وكانه بدل الحبس والرجم زائد ان عليه قد يكونان و قد لا۔

یعنی یہ بات بھی واضح رہے کہ جلاوطنی جو غالباً قید کے قائم مقام ہے اور رجم دونوں سزائیں کوڑوں کے علاوہ ہیں۔ یعنی کبھی یہ نافذ ہوں گی اور کبھی نہیں بھی ہوں گی۔

موجودہ رسالے کے مؤلف مولانا عمر احمد صاحب عثمانی جو شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم کے صاحبزادے اور حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے رشتے میں پوتے ہیں اپنے استاد مولانا عبید اللہ سندھی اور علامہ انور شاہ صاحب کی اسی تحقیق کے مؤید ہیں اسی لیے مؤلف نے اسے سامنے رکھ کر رجم کے موضوع پر مفصل بحث کی ہے اور دلائل سے واضح کیا ہے کہ رجم، اصلی حد نہیں بلکہ ثانوی حد یعنی تعزیر ہے۔

عرب اور غیر عرب علماء کی تائید

مولانا عثمانی جب یہ رسالہ مرتب کر رہے تھے تو میں نے انھیں عرب دنیا کے بعض انتہائی اہم علماء کی تحقیقات کی طرف بھی متوجہ کیا جو ان کی تائید میں تھیں چنانچہ انھوں نے ان عرب علمائے کرام کے حوالے اپنے مضمون میں دے دیے ہیں، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) شیخ ابو زہرہ مصری: اسلامی فقہ پر بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم دین۔ ائمۂ اربعہ کے متعلق جن کی ضخیم اور عالمانہ کتابوں کے ترجمے پاکستان کے متعدد پبلشرز مثلاً شیخ غلام علی وغیرہ شائع کر چکے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق ان کی کتاب کا ترجمہ مودودیؒ صاحب کے صاحبزادے عمر فاروق نے بھی کیا ہے جسے اسلامی پبلشنگ کمپنی لوہاری دروازہ لاہور کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ کے متعلق شیخ ابو زہرہ کی معرکۃ الآرا کتاب کا ترجمہ اہل حدیثوں کے مشہور ادارے مکتبۂ سلفیہ لاہور نے شائع کیا ہے۔

(۲) شیخ مصطفیٰ زرقاء: فقہ اسلامی اور مغربی قوانین کے ممتاز ترین ماہر اور فقہ و اصول فقہ پر کئی نہایت اہم کتابوں کے مصنف۔ ان کی کتاب ''المدخل الفقہی العام'' کا اردو ترجمہ دارالمصنفین اعظم گڑھ نے ''فقہ اسلامی نئے لباس میں'' کے نام سے کیا ہے (ماہنامہ معارف اعظم گڑھ ج ۹۲ شمارہ نمبر۲، صفحہ ۱۱۳)

(۳) شیخ عبدالوہاب خلاف: اصول فقہ پر ان کی لکھی گئی کئی کتابیں عرب ممالک کے نصاب میں داخل ہیں۔

(۴) شیخ محمود شلتوت: جامعہ ازہر کے سابق سربراہ۔ (یعنی شیخ الازہر)

(۵) الاستاذ علی علی منصور: اسلامی فقہ پر لکھنے والے ایک نامور مصنف، ان کی کتاب ''نظام التجریم والعقاب فی الاسلام'' نہایت مشہور ہے۔

(۶) شیخ محمد حسنین مخلوف: مصر کے مفتیٔ اعظم جن کی تقریظ استاذ منصور کی کتاب پر ہے۔

(۷) سابق شیخ الازہر عبدالحلیم محمود: کی بھی اس کتاب پر تائیدی رائے موجود ہے یہ مولانا بنوری

کے معتمد دوستوں میں سے تھے اور بنوری ٹاؤن آ چکے ہیں۔

(۸) برصغیر کے مشاہیر میں سے فراہی مکتب فکر کے بانی مولانا حمید الدین فراہی اور ان کے سب سے بڑے جانشین مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' (سورۂ نور) میں یہی نقطۂ نظر اختیار کیا ہے۔

(۹) دیو بندی مکتب فکر کی انتہائی اہم شخصیت مولانا عبید اللہ سندھی کا نقطۂ نظر بھی یہی ہے۔ مولانا سندھیؒ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے خاص شاگرد تھے۔ دیوبندیوں میں یہ بات مشہور ہے کہ شیخ الہند کے شاگردوں میں مولانا سندھیؒ ان کے دماغ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ان کی زبان اور مولانا حسین احمد مدنیؒ ان کے دست و بازو تھے۔

انجمن خدام الدین لاہور کے بانی مولانا احمد علی لاہوریؒ مولانا سندھی کے شاگرد بھی تھے اور سوتیلے بیٹے بھی اور داماد بھی۔

مولانا سندھی کی املائی تفسیر الہام الرحمٰن جلد دوم صفحہ ۱۵۱ پر ہے:

فمثلا عدد و الرجم من الحدود، و انما هو تعزير وقد اخذوه من التوراة۔

لوگ رجم کو بھی حدود میں شمار کرتے ہیں، حالانکہ رجم کی حیثیت تعزیر کی ہے۔

دراصل ان حضرات نے یہ سزا توراۃ سے لی ہے۔ (مولانا سندھی کی یہ عربی تفسیر ان کے شاگرد مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی فاضل دیوبند شائع کروا رہے ہیں، اس کے صفحہ ۱۵۰ سے ۱۵۳ تک رجم پر بڑی اچھی بحث ہے)۔

(۱۰) مشہور روسی عالم علامہ موسیٰ جاراللہ: (جو مولانا سندھی کی تفسیر ''الہام الرحمٰن'' کے ناقل ہیں) اسی خیال کے حامی ہیں۔

(۱۱-۱۲) علامہ انور شاہ اور ان کے شاگرد مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی کے متعلق ہم شروع میں ہی بتا چکے ہیں۔

مؤلف کتاب کا نقطۂ نظر

غرض یہ کہ رجم کے اصلی حد نہ ہونے بلکہ تعزیر ہونے کے بارے میں مولانا عمر احمد عثمانی صاحب کی تحقیق کو مذکورہ علمائے کرام کی تائید حاصل ہے۔ جیسا کہ قارئین ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس کتاب کے مؤلف مولانا عمر احمد عثمانی نے اپنی اس تحقیق میں دو باتیں واضح کی ہیں۔

ایک یہ کہ شادی شدہ زانی کے لیے اصلی حد رجم نہیں ہے بلکہ اس کے لیے بھی اصلی حد سو کوڑے ہی ہیں (جیسا کہ علامہ انور شاہ کی تحقیق ہے) رجم کی حیثیت تعزیر کی ہے۔

دوم یہ کہ جب رجم اصلی حد نہیں بلکہ ثانوی حد یعنی تعزیر ہے تو چونکہ اس کے حد ہونے کا ثبوت قرآن مجید سے تو ہے نہیں اس لیے تسلیم کرنا چاہیے کہ اس کی بنیاد صرف روایات پر ہے۔

عثمانی صاحب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ دور نبوی اور دورِ خلفاء میں بعض مواقع پر رجم کی سزا دی گئی ہے مگر وہ مذکورہ بالا علماء کی تحقیق کے مطابق یہ کہتے ہیں کہ یہ سزائیں بطور اصلی حد کے نہیں دی گئیں بلکہ بطور تعزیر کے دی گئی ہیں اور آج بھی عدالت کو یہ حق حاصل ہے کہ جس شخص کے متعلق وہ مناسب سمجھے اسے بطور تعزیر کے رجم کی سزا دے دے۔

اصلی حد اور ثانوی حد یعنی تعزیر میں یہی فرق ہے کہ اصلی حد تو بہرصورت نافذ ہوگی لیکن ثانوی حد کو ممکنہ حد تک نافذ نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ صورت حال کا سخت تقاضا ہو (یہ فرق بھی علامہ انور شاہ کا بیان کیا ہوا ہے اور ان کے اس اقتباس میں موجود ہے جو ہم نے شروع میں دیا ہے)۔

رجم کا انکار نہیں

اس تمام تفصیل کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اس رسالے میں رجم کا انکار نہیں کیا گیا (جیسا کہ بعض دھوکے بازوں کا کہنا ہے) بلکہ اس کی اصل حیثیت بتائی گئی ہے کہ یہ حد اصلی نہیں بلکہ حد ثانوی یعنی تعزیر ہے۔ دوم یہ کہ رجم کے حد ہونے کا ثبوت قرآن مجید سے نہیں ملتا بلکہ مصنوعی آیۂ رجم کا تذکرہ روایات میں ملتا ہے۔ اسی لیے بخاری کی اس روایت پر تنقید کی گئی ہے جس میں فاروق اعظمؓ کی زبان سے ایک ''منسوخ التلاوت آیت'' کی بنا پر رجم کے قرآنی ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے اور اس مصنوعی آیت رجم کی حقیقت بھی بتائی گئی ہے جسے بعض محدثین پیش کرتے ہیں (مگر جو موجودہ قرآن میں نہیں ہے)۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک علمی بحث ہے جو علمی انداز میں ہی حل ہونی چاہیے۔ وفاقی شرعی عدالت میں جس کسی نے بھی یہ مسئلہ پیش کیا غالباً اس کا نقطۂ نظر یہی ہوگا کہ اس مسئلے کو گلی کوچوں اور ہوٹلوں میں حل کرنے کے بجائے عدالت عالیہ کے ذریعے علمی طور پر حل کرایا جائے، مگر معلوم ہوتا ہے ہمارے اکثر ہنگامہ پسند علماء اس وقت تو سوتے رہے (جیسا ان کی ہمیشہ کی عادت ہے) اور عدالت کے سامنے حاضر ہو کر اپنے دلائل پیش کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ لیکن جب عدالت نے اپنی تحقیق کے مطابق فیصلہ دے دیا تو لگے شور مچانے۔ کوئی

صاحب موجودہ حکومت کو قادیانیوں کی حامی بتانے لگے، کوئی شخص عدالت عالیہ کو نیچریوں (سر سیّد مرحوم کی جماعت) کا نمائندہ کہنے لگا (دیکھیے بینات میں مفتی ولی حسن کا مضمون) اور بعض نورانی پیکر حکومت و عدالت کو مرتد وہابیوں کی آلۂ کار فرمانے لگے۔ غرض جتنے مولوی اتنی ہی باتیں، مگر یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اپنا احتساب کرتے اور عدالت میں جب یہ مسئلہ چل رہا تھا اس دوران عدالت کے سامنے اپنا موقف پیش نہ کر کے جو کوتاہی ان سے سرزد ہوئی تھی اس پر خود کو ملامت کرتے۔

ہماری گزارش

پیش نظر کتاب میں مولانا عمر احمد عثمانی نے رجم کے بارے میں اپنی تحقیق عالمانہ طور پر پیش کی ہے۔ اس سے اتفاق و اختلاف کا حق ہر شخص کو حاصل ہے مگر شریفانہ طور پر۔ جاہلانہ انداز سے کف برد ہاں ہو کر گفتگو کرنا اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ ایسی حرکت کرنے والا علمی طور پر کمزور ہے اور جواب دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

عثمانی صاحب کے مخالفین

عثمانی صاحب کی یہ کتاب پہلے خواجہ حفیظ برادران نے شائع کی تھی پھر اس کتاب کا ایک نہایت مختصر خلاصہ ماہنامہ ''فاران'' کراچی (دسمبر ۱۹۸۰ء) میں شائع ہوا۔ اس کے جواب میں دو تحریریں ہماری نظر سے گزری ہیں۔ ایک اہل حدیث حضرات کی شائع کردہ کتاب ''حد رجم کی شرعی حیثیت'' مؤلفہ مولانا حافظ صلاح الدین یوسف صاحب۔ دوسری دیوبندی مکتبۂ فکر کے ماہنامہ ''بینات'' کا رجم نمبر جس میں اولاً حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کا وہ عالمانہ مضمون ہے جو پنجاب یونیورسٹی کے دائرۃ المعارف کے لیے لکھا گیا تھا، اس کے بعد مفتی ولی حسن خان ٹونکی کا مضمون ہے جس میں کوئی خاص بات نہیں (سوائے اس کے کہ ایک جگہ کئی صفحے کا طویل حاشیہ دے کر (صفحہ ۱۶، ۱۷، ۱۸) مولانا بنوری مرحوم کے بڑے داماد اور محقق عالم مولانا محمد طاسین صاحب ناظم مجلس علمی ٹاور کے خلاف غیر سنجیدہ تنقید کی گئی ہے اور انھیں پرویزی فکر سے متاثر بتا کر مولویانہ الزام تراشی کی گئی ہے) بینات کے رجم نمبر کا تیسرا طویل ترین مضمون محمد یوسف لدھیانوی ایڈیٹر ماہنامہ ''بینات'' کا ہے جو بیہودہ اندازِ تخاطب کا شاہکار ہے، تقریباً اس کے ہر صفحے پر عثمانی صاحب کو ملحد و زندیق کہا گیا ہے جس طرح میاں مٹھو کو بعض الفاظ رٹا دیے جاتے ہیں اسی طرح ایڈیٹر ''بینات'' کی زبان پر یہ الفاظ رٹے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مضمون

پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مضمون نگار اعصابی مریض ہو کہ ذرا ذرا سے وقفے سے آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور اس تشنجی حالت میں اس کی زبان پر ملحد و زندیق کی گردان جاری ہو جاتی ہے۔

لدھیانوی صاحب اور علامہ انور شاہؒ

میں ان سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ علامہ انور شاہ مرحوم کی جو عبارت خود انھوں نے دی ہے (بینات، صفحہ ۱۱۵) اس سے یہ بالکل واضح ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک شادی شدہ زانی کے لیے بھی اصلی حد کوڑے ہی ہیں۔ رجم اصلی حد نہیں بلکہ ثانوی حد ہے۔ شاہ صاحب کے اس ارشاد میں اور عثمانی صاحب کے اس بیان میں کہ رجم اصلی حد نہیں بلکہ تعزیر ہے، سوائے اصطلاح کے اور کیا فرق ہے؟ ولا مشاحة فی الاصطلاح۔

کیا آپ میں یہ جرأت ہے کہ شاہ صاحب نے رجم کے اصلی حد ہونے سے جو انکار کیا ہے اس پر انھیں بھی ملحد و زندیق کہیں اور مرجومین میں شمار کریں؟ ہمیں یقین ہے کہ آپ یہ جرأت ہرگز نہیں کر سکتے بلکہ شاہ صاحب کے اس ارشاد کو نامناسب کہنے کی استطاعت بھی اپنے اندر نہیں رکھتے، کیونکہ آپ ان کے معتقدین کے ادارے میں ملازم ہیں اور سب جانتے ہیں کہ دیوانہ بکار خویش ہشیار ہوتا ہے۔

لدھیانوی صاحب اور شاہ ولی اللہؒ

لدھیانوی صاحب نے اپنے مضمون کے صفحہ ۶۹، ۷۰ پر حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ایک عبارت ملاحدہ و زنادقہ کے واجب القتل ہونے پر پیش کی ہے۔ لدھیانوی صاحب کی اس سے غرض یہ ہے کہ عثمانی صاحب واجب القتل ہیں کیونکہ ان کے نزدیک وہ ملحد و زندیق ہیں۔ حالانکہ شاہ صاحب کی اس پوری عبارت میں عثمانی صاحب کی طرح رجم کو تعزیر ماننے والوں کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے اس لیے عثمانی صاحب کے سلسلے میں شاہ صاحب کی یہ عبارت پیش کرنا کھلی بے ایمانی ہے۔ البتہ شاہ صاحب نے ''نظریۂ امامت'' کو اصول دین ماننے والوں کا اس مقام پر صراحۃً ذکر کیا ہے اور انھیں عقیدۂ ختم نبوت کا منکر قرار دے کر واجب القتل قرار دیا ہے، مگر لدھیانوی صاحب اس عبارت کو چھپا گئے۔ اگر ان میں ذرا بھی جرأت و ہمت اور کچھ بھی دینی غیرت و حمیت ہے تو وہ نظریۂ امامت ماننے والوں کے متعلق شاہ صاحب کے اس فیصلے کی بنیاد پر ایک استفتاء (سوال) مرتب کر کے اپنے مدرسے کے مفتیوں سے ان کے ملحد و زندیق ہونے اور واجب القتل ہونے کا فتویٰ حاصل کر کے دکھادیں۔ میں چیلنج کرتا ہوں کہ وہ ایسا

کرنے کی جرأت ہرگز نہیں کریں گے بلکہ ایسا تصور کرنے سے بھی لدھیانوی اینڈ پارٹی پر کپکپی طاری ہوجائے گی، فتویٰ لینا دینا تو بہت دور کی بات ہے کیونکہ کسی ایسے فتنے کا مقابلہ کرنا جس سے جان و مال کو خطرہ ہوسکتا ہو آج کل کے اکثر علماء کے بس سے باہر ہے۔ جن مفتیان دین متین کا کردار یہ ہو کہ اپنے بچوں کو میڈیکل کالج میں داخلہ دلانے کے لیے جعلی ڈومیسائل بنوانے میں حرج نہ سمجھیں ان سے کیا توقع کی جاسکتی ہے؟

لدھیانوی تحقیقات کا خلاصہ

اب آخر میں ہم لدھیانوی صاحب کی فخریہ تحقیقات کا خلاصہ بھی پیش کر دینا چاہتے ہیں تاکہ اس کے نتائج پر عقل سلیم والے خود غور کرسکیں۔ لدھیانوی تحقیقات کی ترتیب یوں بنتی ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں زانی اور زانیہ کے لیے سو کوڑوں کی سزا بتائی تھی مگر اس میں ایک کمی رہ گئی کہ شادی شدہ زانی کی سزا اس میں نہیں ہے۔

(۲) اس لیے خود اللہ تعالیٰ نے ہی ایک ''منسوخ التلاوۃ آیت'' یعنی الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالا من اللہ کے ذریعے (جو موجودہ قرآن میں نہیں ہے) سورۂ نور کی قرآنی آیت کو منسوخ کر دیا۔

(۳) مگر چونکہ اللہ تعالیٰ اس غیر قرآنی آیت میں بھی اپنے خیالات واضح نہ فرما سکا (نعوذ باللہ) کیونکہ اس ''آیت'' سے صرف بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت پر رجم کی سزا لازم آتی تھی اور دوسرے شادی شدہ بچ جاتے تھے۔ اس لیے اس ''آیت'' کو حضورؐ کے ارشاد (خُذُوْا عَنِّی والی حضرت عبادہؓ بن صامت کی روایت) نے منسوخ کر دیا جو وحی غیر متلو کے ذریعے آنحضرت پر نازل ہوا تھا۔

(۴) مگر اس نسخ در نسخ کے باوجود لدھیانوی صاحب کے خیالات کے مطابق حضور اکرمؐ بھی اپنا مافی الضمیر ادا نہ کرسکے (خاک بدہن قائل) کیونکہ اس قول رسولؐ میں کنوارے اور شادی شدہ ہر ہر مجرم کے لیے دو، دو سزائیں مقرر کر دی گئی ہیں یعنی:

کنوارے کے لیے: (۱) سو کوڑے اور (۲) ایک سال کی جلاوطنی۔

شادی شدہ کے لیے: (۱) سو کوڑے اور (۲) رجم (سنگساری)۔

لہٰذا اس قول رسولؐ کو بالآخر عمل رسولؐ نے منسوخ کر دیا کیونکہ عملاً حضور اکرمؐ نے کنوارے اور شادی شدہ ہر دو کے لیے صرف ایک ایک سزا برقرار رکھی یعنی کنوارے کے لیے

صرف کوڑے اور شادی شدہ کے لیے صرف رجم۔

(۵) مگر آنحضرت کی یہ عملی توضیح بہت سے فقہاء مثلاً امام مالکؒ و شافعیؒ و احمد ابن حنبلؒ کی سمجھ میں نہیں آئی بلکہ خلفائے راشدین میں سے بھی حضرت علیؓ کی سمجھ میں نہیں آئی کیونکہ حضرت علیؓ نے اپنے زمانے میں بیک وقت دونوں سزائیں دیں۔ مجرم کے پہلے سو کوڑے مارے پھر اسے رجم کیا اور یہی نقطۂ نظر امام مالک و شافعی و احمد بن حنبل نے اپنایا۔ یہ ہے لدھیانوی صاحب کی تحقیقات کا خلاصہ۔

احناف کی حقیقت شناسی

ہماری گزارش یہ ہے کہ قرآن کریم کی روشنی میں احناف نے کنواروں کے متعلق رسول اللہؐ کے اس طرز عمل کی یہ توجیہ کی ہے کہ کنوارے زانی کی اصل سزا صرف سو کوڑے ہیں جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے۔ رہی جلاوطنی کی سزا تو یہ بطور حد نہیں بلکہ بطور تعزیر ہے۔

اسی اصول احناف کے تحت اگر علامہ انور شاہ کشمیری نے یہ بات کہی کہ شادی شدہ زانی کے لیے بھی اصل حد صرف سو کوڑے ہی ہیں، رجم کی سزا ثانوی حد ہے اور اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ اس سزا کو جس حد تک بھی گمنام کیا جاسکے بہتر ہے اور جس حد تک بھی اس کے نفاذ کو روکا جاسکے مناسب ہے، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ سزا مؤکد (لازمی) نہ رہے بلکہ غیر مؤکد (غیر لازمی) ہوتو اسے گمراہی اور الحاد کہنا کس حد تک درست بات ہے؟

علامہ انور شاہؒ کی اسی تحقیق کو مولانا عبیداللہ سندھی اور دوسرے علمائے عرب نے ان الفاظ میں پیش کیا کہ شادی شدہ کے لیے بھی اصل حد صرف سو کوڑے ہیں، رجم کی حیثیت تعزیر (ثانوی حد) کی ہے جس کا دینا نہ دینا عدالت کی صوابدید پر ہے۔

صاف واضح ہے کہ علامہ انور شاہ کا نقطۂ نظر اور مولانا عبید اللہ سندھی و عرب علماء کا نقطۂ نظر ایک ہی ہے صرف الفاظ کا فرق ہے۔

عثمانی صاحب پر بلاوجہ ناراضگی

غضب خدا کا، مذہب کے یہ صحافی ماہرین بیچارے عثمانی صاحب کے خلاف تو یہ جوش وخروش دکھائیں مگر اسی نقطۂ نظر کے اوّلین علم بردار علامہ انور شاہ و مولانا عبید اللہ سندھی، علامہ موسیٰ جاراللہ اور شیخ ابو زہرہ مصری، شیخ مصطفیٰ زرقا و شیخ عبدالوہاب خلاف شیخ شلتوت (شیخ الازہر) و استاذ علی علی منصور، مفتی اعظم مخلوف اور عبدالحلیم محمود شیخ الازہر، مولانا بدر عالم میرٹھی

وغیرہ کے متعلق منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر بیٹھے رہیں۔ ارے بھائی اگر تکفیر کرنی ہی ہے تو پہلے ان سب کی تکفیر کیجیے ان سب کو ملحد و زندیق کہیے اور ان تمام کو مرجومین میں شمار کیجیے پھر آپ کو حق ہوگا کہ عثمانی صاحب کے لیے بھی یہ الفاظ استعمال کریں، ورنہ ان تمام ہم خیال حضرات کو چھوڑ کر صرف مولانا عمر پر تبرا کرنا دراصل مولانا عمر کے خلاف اپنے حاسدانہ جذبات کا ایک بھونڈا اظہار ہے یہ وہ فطری کمزوری ہے جس کے متعلق عرب کا شاعر پہلے ہی کہہ گیا ہے کہ:

حَسَدُوا الفَتٰی اِذْلَمْ یَنَالُوْا سَعْیَهٗ

(لوگ جس ہمعصر کے مقام تک نہیں پہنچ پاتے اس سے حسد کرنا شروع کردیتے ہیں)۔

(۲)

اہلحدیث اور عثمانی صاحب

اہلحدیث مکتبۂ فکر کے مشہور عالم مولانا حافظ صلاح الدین یوسف صاحب (ایڈیٹر ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور نے بھی مولانا عمر احمد عثمانی صاحب پر تنقید کی ہے۔ عام حالات میں حافظ صاحب ایک سنجیدہ مصنف ہیں اور ان کی کتاب ''خلافت و ملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت'' اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ عثمانی صاحب کے مقابلے میں آتے ہی ان کے ذہن میں حنفی، غیر حنفی کا مسئلہ تازہ ہوجاتا ہے۔ مولانا عمر احمد عثمانی کے والد مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مرحوم چونکہ حنفیت کے بہت بڑے ترجمان تھے، ان کے فاتحہ خلف الامام کے متعلق ایک مضمون پر جو دارالعلوم کورنگی کے ماہنامہ ''البلاغ'' (جنوری ۱۹۶۸ء) میں شائع ہوا تھا، ایڈیٹر الاعتصام نے نہایت جارحانہ تنقید کی تھی جس کا جواب مولانا عمر احمد عثمانی نے دیا تھا اور اسے خود مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مرحوم نے اپنے دیباچے کے ساتھ ''العزیز پبلی کیشن ہیر آباد، حیدر آباد'' سے شائع کرایا تھا برادرم صلاح الدین صاحب غالباً وہ معرکہ اب تک فراموش نہیں کرسکے اس لیے عمر صاحب پر انکار حدیث کا الزام لگانے سے بھی نہیں جھجکے اور انھیں کے ساتھ مرحوم علامہ تمنا عمادی پھلواروی کو بھی لپیٹ میں لے لیا، حالانکہ ان دونوں کی تحریری شہادتیں موجود ہیں کہ یہ منکر حدیث نہیں ہیں۔ اب کسی شخص کے انکار کے باوجود اس پر بلا دلیل کوئی الزام تھوپنا نہ صرف ثقاہت و دیانت کے خلاف ہے بلکہ بہتان طرازی ہے جو کبیرہ گناہ ہے اور جس پر صلاح الدین صاحب کو شرمندگی محسوس کرتے ہوئے اللہ کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔ عثمانی صاحب تو زندہ ہیں، ان سے ہر شخص تحقیق کرسکتا ہے اور جو ان کے ساتھ اٹھتے

بیٹھتے ہیں وہ ان کے خیالات سے اچھی طرح واقف ہیں پھر ان کی مشہور کتاب ''فقہ القرآن'' موجود ہے اگر کسی میں جرأت ہے تو ان کا منکر حجیت حدیث ہونا ثابت کرے ورنہ الزام تراشی سے باز آئے۔ رہے علامہ تمنا مرحوم تو ان کے متعلق میں شَهِدَ شَاهِدٌ مِن اَهلِهَا کے مصداق مولانا عبداللہ عباس ندوی ناظم تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ماہنامہ ''فاران'' کراچی (مارچ ۱۹۷۳ء) میں شائع شدہ مضمون خصوصاً صفحہ ۱۱ کا پہلا اور دوسرا پیرا گراف پیش کرتا ہوں جس میں انھوں نے سالہا سال کے ذاتی روابط کی بنا پر علامہ تمنا کے متعلق انکار حدیث کے الزام کو سو فیصد غلط بتایا ہے خود علامہ تمنا کے قدیم و جدید مضامین کی تحریری شہادتیں خصوصاً ''سبیل المؤمنین'' نامی ان کی کتاب اس کی تائید میں پیش کی جاسکتی ہے۔

کیا امام بخاری پر تنقید کفر ہے؟

صلاح الدین صاحب جیسے سنجیدہ شخص سے فرقہ وارانہ عصبیت کے تحت ایسی الزام تراشی کی توقع نہیں تھی اگر خدانخواستہ ہم لوگ ہی قدیم دور میں ہوتے تو یہ قطعی غلط الزامات جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کی کتابوں میں آجاتے جو بعد والے اہل حدیث مقلدوں کے لیے حجت شرعیہ ہوتے۔ نعوذباللہ من شر ورانفسنا ومن فتنه التحزب والتعصب بات یہ ہے کہ علامہ تمنا مرحوم اور مولانا عمر احمد عثمانی، اہلحدیث حضرات کی طرح .... امام مسلم و امام بخاری کی تحقیقات کے اندھے مقلد نہیں ہیں بلکہ ان حضرات نے بخاری و مسلم کی بہت سی روایات پر تنقید کی ہے۔ بس یہ وجہ ہے ان کو منکر حدیث قرار دینے کی۔ حالانکہ نہ امام بخاری و مسلم معصوم تھے نہ ان کی کتابوں کا قرآن مجید کی طرح اللہ تعالیٰ محافظ ہے۔ نہ آج تک کسی نے امام بخاری و مسلم کی تحقیقات کو ہو بہو قبول کرنا مسلمان ہونے کی شرط بتایا ہے (ممکن ہے اہل حدیث مسلک کے لیے یہ شرط ہو) اہل حدیث حضرات کے علاوہ دوسرے اسلامی مکاتب فکر خصوصاً احناف کا امام بخاری کی تحقیقات کے متعلق جو نقطۂ نظر رہا ہے وہ مولانا عبدالرشید نعمانی مدرس جامعہ بنوری ٹاؤن، علامہ زاہد الکوثری مصری اور علامہ انور شاہ کشمیری کی کتابوں سے ظاہر ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی کی تحقیقات میں سے صرف ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

کیا دو تہائی بخاری غلط ہے؟

قال المقبلی فی الارواح النافخ. ولقدقرأ علی بعض اهل الصلاح التام الفیة العراقی و جرٰی شئی من هذ البحث فرأی

النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی النوم و سالہ کیف حقیقۃ الامر فی ھذا الکتاب یعنی البخاری بالخصوص لانہ الذی وقع فیہ البحث قال فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الثلثان غیر حق قال والتبس ھل ثلثا الاحادیث ام ثلثا الرواۃ واکثر ظنہ ثلثا الرواۃ یعنی انھم غیر عدول لا نہ الذی وقع فیہ البحث کما ذکر ھنا واللہ اعلم انتھی ماقالہ المقبلی فی الارواح (صفحہ ۶۸۹ و ۶۹۰)

فھذا ما یتعلق باصحیتھا من حیث الصناعۃ والکشف۔

(ترجمہ: علامہ مقبلی اپنی کتاب ''الارواح النافخ'' میں لکھتے ہیں: ایک نہایت دیندار اور باصلاحیت شخص نے مجھ سے عراق کی ''الفیہ'' (جو اصول حدیث میں ہے) پڑھی اور ہمارے درمیان صحیحین کے مقام و مرتبہ خصوصاً بخاری کی روایات کے متعلق بھی گفتگو ہوئی ... تو ان صاحب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپؐ سے دریافت کیا کہ اس کتاب یعنی خصوصاً بخاری کی کتاب کے متعلق حقیقت امر کیا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دو تہائی غلط ہے'' خواب دیکھنے والے کا گمان غالب یہ ہے کہ یہ ارشاد نبوی بخاری کے راویوں کے متعلق ہے یعنی ان میں سے دو تہائی غیر عادل ہیں، کیونکہ بیداری میں ہمارا موضوع بحث بخاری کے راوی ہی تھے۔ واللہ اعلم۔ دیکھئے مقبلی کی کتاب ''الارواح النوافخ'' صفحہ ۶۸۹، ۶۹۰ یہ ہے بخاری کے فنی طور پر سب سے زیادہ صحیح ہونے کی حقیقت)۔ (دراسات اللبیب مؤلفہ ملا معین سندھی پر محمد عبدالرشید نعمانی کے حواشی صفحہ ۳۸۵ ناشر لجنۃ احیاء الادب السندھی، ۱۹۵۷ء)

(اس کتاب کو ایڈٹ کرنے میں مولانا عبدالرشید نعمانی کے ساتھ جامعہ بنوری ٹاؤن کے مفتی ولی حسن بھی شریک رہے ہیں، جیسا کہ اپنے حواشی کے آخر میں نعمانی صاحب نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بتایا ہے۔)

اس اقتباس کو دیکھنے کے بعد فیصلہ فرمائیے کہ جب بخاری کے دو تہائی راوی غیر عادل ہیں تو ان کی روایات کی کیا حیثیت ہے جو یقیناً بخاری کی دو تہائی روایات سے زیادہ بنتی

ہیں کیونکہ بہت سے راوی کئی روایتیں بیان کرتے ہیں☆۔

امام بخاری کو معصوم نہ منوائیے

بہرحال برادرم صلاح الدین صاحب اور اپنے تمام اہل حدیث دوستوں سے میری درخواست ہے کہ وہ امام بخاری کو شیعہ حضرات کے ائمہ کی طرح معصوم قرار دے کر شرک فی النبوۃ کے مرتکب نہ ہوں اور از روئے انصاف یہ تسلیم کریں کہ جس طرح امام اعظم ابو حنیفہؒ کی تحقیقات میں غلطی ہوسکتی ہے اسی طرح امام بخاریؒ سے بھی ہوسکتی ہے۔ ایسا مان لینا جس طرح امام اعظمؒ کی توہین نہیں ہے اسی طرح امام بخاریؒ کی توہین بھی نہیں ہے۔

امام بخاریؒ پر امام مسلم کی تنقید

لیکن اگر یہ بات ماننے کے لیے ہمارے اہل حدیث بھائی تیار نہ ہوں اور ان کے نزدیک امام بخاری پر اور ان کی تحقیقات پر تنقید کرنا بہرصورت جرم ہو تو انھیں چاہیے کہ امام مسلم نے اپنی کتاب کے مقدمے میں امام بخاری پر جو تلخ تنقید کی ہے، انھیں متہم الحدیث (خود ساختہ محدث) بھی کہا ہے اور انھیں توہین حدیث کا مرتکب بھی قرار دیا ہے تو اس بناء پر امام مسلم کو منکر حدیث اور بد دین و گمراہ قرار دیں یا پھر خود ہی فیصلہ فرمالیں کہ ان دونوں میں کون حق پر ہے اور کون غلطی پر، کیونکہ اہل حدیث حضرات عملاً ان دونوں حضرات کو معصوم ہی مانتے ہیں۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

☆☆☆

☆ علامہ مقبلی ہمارے اہلحدیث حضرات کی محترم شخصیت ہیں، مولانا نذیر حسین محدث دہلوی نے اپنی کتاب ''معیار الحق'' وغیرہ میں ان کا حوالہ دیا ہے اور نواب صدیق حسن قنوجی کے استاذ الاستاذ علامہ شوکانی یمنی نے اپنے اس ہم وطن مقبلی کے علم و فضل اور دیانت کی تعریف کی ہے۔ غالباً حنفی عالم مولانا عبدالرشید نعمانی نے ایک تو اس وجہ سے ان کا حوالہ دیا ہے، دوم یہ کہ علامہ مقبلی نے اپنے دلائل کے ساتھ اپنے شاگرد کے خواب کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ شاید نعمانی صاحب نے اپنے حق میں یہ اقتباس پیش کر کے اور ان الفاظ میں اس کی تائید کر کے کہ فھذا ما یتعلق باصحیتھا من حیث الصناعۃ والکشف (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ دلائل کی رو سے بھی بخاری کے راویوں اور روایات کا یہ حال ہے اور خواب کی رو سے بھی یہ حالت ہے)۔ اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اہلحدیث حضرات عموماً امام بخاری اور ان کی کتاب کی عظمت بتانے کے لیے خوابوں کا سہارا لیا کرتے ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی کی شرح بخاری میں امام بخاری کے حالات سے لے کر مولانا عبدالسلام مبارک پوری کی سیرۃ البخاری اور مولانا وحیدالزماں کے ترجمۂ بخاری تک ہر جگہ خوابوں کا سہارا لیا گیا ہے۔ لہٰذا دلائل کے ساتھ ساتھ خواب کے ذریعے بھی اس کی حقیقت بتا دی۔

طبع دوم کے موقعے پر ایک الزام کا جواب

اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت سے قبل ہمیں مندرجہ ذیل خط موصول ہوا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم ومحترم جناب مفتی طاہر مکی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم!

میں بہاء الدین یونیورسٹی ملتان کا ایک طالب علم ہوں، اور اپنے اساتذہ کرام کی وساطت سے ادارۂ فکر اسلامی کی شائع کردہ قرآنی انسائیکلوپیڈیا یعنی ''فقہ القرآن'' کا مطالعہ کرچکا ہوں۔ کچھ عرصہ ہوا اہلحدیث حلقے کے ایک دانشور جناب مسعود احمد بی ایس سی کی جماعت المسلمین کے ایک ممبر نے آپ حضرات کے خلاف اپنے اہلحدیث علماء کو اور کچھ حنفی علماء کو بھی بقول خود اپنے متعلق اور اپنی پلاننگ کے متعلق اندھیرے میں رکھ کر (یعنی تقیہ کرکے) خطوط لکھے جن میں آپ حضرات پر توہین بخاری کی تحریک چلانے کا الزام لگایا ہے اور وہ اقتباس پیش کیا ہے جو آپ نے مولانا عبدالرشید نعمانی کی تعلیقات علیٰ دراسات اللبیب (عربی) سے نقل کیا ہے۔

ان کے خطوط کے جواب میں دانش سرا والے جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے حلقے نے آپ کی تائید کی ہے۔ اہلحدیث علماء نے

آپ کے ساتھ نعمانی صاحب اور تمام احناف کو رگیدا ہے۔ البتہ بینات کے ایڈیٹر مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب نے صرف آپ کے خلاف ذاتیات پر مبنی بڑا تلخ انداز اختیار کرتے ہوئے آپ پر تدلیس وتلبیس کا الزام عائد کیا ہے اور لکھا ہے کہ طاہر صاحب نے مولانا عبدالرشید نعمانی کا اقتباس پیش کر کے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کے اس الزام میں کتنی صداقت ہے؟ کیوں کہ یہ کتاب ہمارے ہاں کی لائبریری میں موجود نہیں ہے۔

والسلام

ہم نے اس خط کا جو جواب دیا وہ درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشین دل می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

(اے نگاہوں سے دور مگر دل کے قریب بیٹھے ہوئے دوست میں تمھیں آنکھوں کے سامنے محسوس کر رہا ہوں اور تمھارے لیے دعا گو ہوں)۔

عزیز گرامی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کو معلوم ہوگا کہ مولانا یوسف لدھیانوی صاحب اس دار فانی سے دار باقی کی طرف جاچکے ہیں اور اس جگہ پہنچ گئے ہیں جہاں سچ اور جھوٹ واضح ہوجاتا ہے اور الزامات کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ انھوں نے ذاتیات کے حوالے سے جو غلط بیانی اور زیادتی کی اس کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ یغفراللہ لہ، وھو ارحم الراحمین۔ البتہ مولانا عبدالرشید نعمانی کے اقتباس کے حوالے سے انھوں نے جو الزام تراشی کی ہے اس کا جواب ضروری ہے کیوں کہ یہ دیانت اور علم کا معاملہ ہے۔

اس کے لیے نعمانی صاحب کی ایڈٹ کردہ کتاب ''دراسات اللبیب'' کے سرورق کا فوٹو اور اس کے متعلقہ صفحہ پر مولانا عبدالرشید نعمانی کے حاشیے کے اقتباس کا فوٹو آپ کو بھیج رہا ہوں جس سے یہ بات دو اور دو چار کی طرح واضح ہوجائے گی کہ اقتباس پیش کرنے میں، میں نے غلط بیانی سے کام لیا ہے یا اس اقتباس کا انکار کر کے لدھیانوی صاحب نے غلط بیانی کی ہے۔

اگر اپنے نقطۂ نظر سے اختلاف رکھنے والوں کے خلاف اتنی کھلی غلط بیانی کو کوئی شخص

جائز سمجھتا ہے تو میں سوائے اظہار افسوس کے اور کیا کرسکتا ہوں؟

وہ کتاب جو پاکستان میں چھپی ہو، اور بہت سی لائبریریوں میں موجود ہو، اگر اس کی عبارت کا بھی ڈھٹائی سے انکار کر کے اپنے آدمی مولانا عبدالرشید نعمانی کو بچانے کی کوشش کی جائے اور ہمیں اپنا مخالف سمجھ کر بدنام کرنے کی کوشش کی جائے اور ایسا کرنے والا بھی عام آدمی نہیں بلکہ عالم دین اور پیر طریقت ہو تو:

پھر کسے رہنما کرے کوئی؟

(۲) جہاں تک اہلحدیث دوست کا یہ کہنا ہے کہ ہم توہین بخاری کی تحریک چلا رہے ہیں تو یہ ایسا ہی جیسے ان کے مخالف ان کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ اور ان کے ساتھی اہلحدیث حضرات توہین امام اعظم کی تحریک چلا رہے ہیں، یا بقول بریلوی حضرات کے وہابی توہین رسالت کی تحریک چلا رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم اور ہمارے احباب اگرچہ امام بخاری کو ائمہ اربعہ کے برابر نہیں سمجھتے لیکن امام بخاری کو اپنا بزرگ اور ان کی کتاب کو صحاح ستہ کی کتب میں سب سے زیادہ اہم کتاب سمجھتے ہیں مگر امام بخاری کو معصوم نہیں سمجھتے اور جس طرح اپنے نقطۂ نظر سے اختلاف کی صورت میں ائمہ اربعہ میں سے امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی تحقیقات پر تنقید کو جائز سمجھتے ہیں تو ان سے کم درجے کے امام بخاری کی تحقیقات پر تنقید کو جرم کیوں سمجھیں گے؟

اگر کتب احناف میں امام مالک وشافعی واحمد بن حنبل کی پیش کردہ تحقیقات و روایات کا جائزہ لینا، ان کی توہین نہیں سمجھا جاتا تو امام بخاری کی تحقیقات و روایات کا جائزہ لینا ان کی توہین کیوں سمجھا جائے؟

اس وضاحت کے باوجود اگر اہلحدیث بھائی اپنی الزام تراشی پر ضد جاری رکھیں تو پھر یہی سمجھا جائے گا کہ وہ اور تمام اہلحدیث حضرات توہین امام اعظم کی تحریک چلا رہے ہیں اور بقول بریلوی حضرات گستاخیٔ رسولؐ کے مرتکب ہو کر توہین رسالت کی تحریک چلا رہے ہیں۔ یہی ان کا علاج بالمثل ہے۔

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

محمد طاہر

(نوٹ: دراسات اللبیب'' کے سرورق اور متعلقہ صفحے کا عکس اگلے صفحے پر ملاحظہ کیجیے)

☆☆☆

دراسات اللبيب

في الأسوة الحسنة بالحبيب

للعلامة البارع المتكلم الأصولي النظار محمد الملقب بالمعين، ابن محمد الملقب بالأمين السندي المتوفى ١١٦١ھ

بتقدمـــة وتحقيق

محمد عبدالرشيد النعماني

قامت بنشرها وطبعها
لجنة إحياء الأدب السندي بكراتشي
THE SINDHI ADABI BOARD
Karachi

۳۸۵

بالاسلام وهم الحنفية ، اما اهل الحديث فيردون المجاهيل بل مذهبهم اضيق من ذلك لغلو اهل كل فن فى فنهم ، فعلمت ان مجادلة الذهبى هيبة لخرق عادة الاصحاب فى احترام الصحيحين لشهرة تسميتها وتميزها فى الجملة فما بقى الا ان يجعل سيئاتها حسنات حتى تراهم يقولون فى كثير من الاحاديث رجاله رجال الصحيحين ينزل ذلك او يكاد منزلة الصحيح ، والمستدركون على الصحيحين المستثنون بزعمهم مما اجمع عليه لم يفتحوا هذا الباب اولم يستقصوا ذلك ، ولقد قرأ على بعض اهل الصلاح التام الفئة العراق وجرى شئى من هذا البحث فقال ليت شعرى كيف حقيقة الامر مع هذا التطبيق فقلت له بحثنا فى التكليف لا فى حقيقة الامر فراى النبى صلى الله عليه وسلم فى النوم وساله كيف حقيقة الامر فى هذا الكتاب يعنى البخارى بالخصوص لانه الذى وقع فيه البحث قال فقال له النبى صلى الله عليه وسلم الثلثان غير حق قال والتبس هل ثلثا الاحاديث ام ثلثا الرواة واكثر ظنه ثلثا الرواة يعنى انهم غير عدول لانه الذى وقع فيه البحث كما ذكرهنا والله اعلم انتهى ما قاله المقبلى فى الارواح (ص ٦٨٩ و ٦٩٠) فهذا ما يتعلق باصحيتها من حيث الصناعة والكشف ، واما ما تعلق به ابن الصلاح من تلقى الامة لاحاديث كتابيهما وبعده المصنف اقوى دليل على مدعاه فقدرده الامامان العلامتان كمال الدين ابو الفضل جعفر بن ثعلب الادفوى الشافعى المتوفى ٧٤٨ ھ والامير محمد بن اسمعيل اليمانى من المنتمين الى مذهب اهل الحديث باحسن رد حيث لامرد له ، فقال الامام ابو الفضل الادفوى فى كتابه ,,الامتاع فى احكام السماع،، ثم اقول ان الامة تلقت كل حديث صحيح وحسن بالقبول وعملت به عند عدم المعارض وحينئذ لا يختص بالصحيحين وقد تلقت الامة الكتب الخمسة او الستة بالقبول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مؤلف

''فقہ القرآن'' میری ایک علمی کوشش ہے جس میں میں نے قرآنی قوانین کا ایک جائزہ پیش کیا ہے میں نے اس میں فقہی مسائل جو قرآن کریم سے ماخوذ اور مستنبط ہیں جمع کردیے ہیں۔ میں نے اس میں بتایا ہے کہ فلاں فقہی مسئلے میں مختلف ائمہ وفقہائے کرام نے کیا آراء قائم کی ہیں اور کونسی رائے مجھے قرآن کریم کی ہدایات سے قریب تر نظر آتی ہے۔ نہ میں نے کسی کی تغلیط کی ہے نہ کسی کے متعلق کسی بری رائے کا اظہار کیا ہے میں بنیادی طور پر قرآن کریم کا ایک طالب علم ہوں اور جو کچھ میں نے قرآن کی روشنی میں سمجھا ہے اسے بے کم و کاست بیان کر دیا ہے۔ میری فہم، میرا علم، میری معلومات نہایت ہی محدود اور ناقص ہیں۔ میں نے جو کچھ رائے دی ہے اس کے دلائل میں نے پیش کردیے ہیں اہل علم وفضل کا کام ہے کہ ان دلائل پر غور فرمائیں اور اگر وہ صحیح ہیں تو انھیں قبول کرلیں اور اگر صحیح نہیں ہیں تو بلاتکلف رد فرمادیں۔ میرے سامنے اس موضوع پر اس سے پہلے کی کوئی کوشش نہیں ہے میں نے صرف ابتداء کی ہے اور اہل علم اس راستے پر چل کر آئندہ بڑے بڑے قلعے سر کریں گے علم یونہی ترقی کرتا ہے اور ترقی کرتا جائے گا۔

''فقہ القرآن'' کی ''کتاب الحدود'' جو بفضلہٖ تعالٰی میں مرتب کرچکا ہوں، اس میں زنا کی سزا کا بیان بھی آیا ہے۔ پشاور ہائی کورٹ میں جاری مباحث کی وجہ سے اس کا باب الرجم خواجہ حفیظ برادران نے مستقل کتاب کی شکل میں شائع کر دیا تھا۔ یہ باب میں نے اپنے استاد محترم حضرت مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے ہمعصر علامہ انور شاہ کشمیری کی رجم کے متعلق تحقیقات کی روشنی میں مرتب کیا ہے اس لیے اس کا مضمون جمہور علماء کے نقطۂ نظر سے کچھ ہٹ کر ہے۔ میری یہ کتاب زیادہ تعداد میں شائع نہیں ہوئی تھی لیکن پھر میرے ایک دوست نے

ماہنامہ ''فاران'' کراچی کے مدیر کی یہ خواہش مجھ تک پہنچائی کہ اگر میں زنا کی سزا کے متعلق ''فقہ القرآن'' کے اس باب کا ایسا مختصر سا خلاصہ کردوں جسے وہ شائع کرسکیں تو انھیں بڑی مسرت ہوگی۔ یہ باب کافی طویل تھا۔ میں نے ان کی خواہش پر اس کا خلاصہ تیار کر کے ان کو دے دیا تھا جو دسمبر ۱۹۸۱ء کے پرچے میں انھوں نے شائع کیا۔ خلاصے میں اصل باب کی تمام باتیں تو نہیں آسکتیں تھیں، میں نے موٹی موٹی باتیں اس میں اختصار کے ساتھ لے لی تھیں۔ اس پر حضرات علمائے کرام کی طرف سے تنقیدیں ہوئیں اور میرے خلاف تبرا بازی شروع ہوگئی۔ اختلاف رائے ہر انسان کا حق ہے اور واقعہ یہ ہے کہ حضرات علمائے کرام کی تنقیدات سے مجھے انتہائی خوشی ہوتی ہے اس لیے کہ اس سے مسئلے کے مختلف گوشے سامنے آجاتے ہیں اور خود مجھے اس سے بڑا فائدہ پہنچتا ہے۔ مجھے مزید غور وفکر کا موقعہ میسر آجاتا ہے اور اپنی اغلاط و اسقام پر تنبیہ ہوجاتی ہے۔ چنانچہ میں ان تمام حضرات کا بہ صمیم قلب متشکر وممنون ہوں جنھوں نے اس مضمون کے خلاف خامہ فرسائی کی تکلیف فرمائی۔ البتہ بعض حضرات نے علمی بحث میں جس سنجیدگی اور تہذیب و متانت کی ضرورت ہوتی ہے اس کی حدود کو پھاند کر کوئی اچھا نمونہ پیش نہیں فرمایا مگر مجھے ان سے بھی کوئی شکایت نہیں ہے بلکہ میں اپنے دل کی گہرائیوں سے ان کا بھی ممنون ہوں:

بدم گفتی و خرسندم جزاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارہ

والسلام

عمر احمد عثمانی

☆☆☆

کتاب الحدود

زنا کی سزا اور رجم

کتاب الحدود

باب الرجم

حُدُوْدٌ، حَدٌّ کی جمع ہے۔ اس مادّہ کے اصلی معنیٰ روکنے اور منع کرنے کے ہیں۔ حَدَّ الرَّجُلَ عَنِ الْاَمْرِ آدمی کو اس معاملے سے روک دیا۔ منع کردیا۔ حَدَدْتُ فُلَانًا عَنِ الشَّرِ، میں نے فلاں کو شر سے روک دیا۔ اَلْحَدَدُ رکاوٹ اور روک ھٰذَا اَمْرٌ حَدَدٌ۔ یہ امر ممنوع ہے۔ اَلْحَدِیْدُ (لوہا) کیونکہ وہ اپنی سختی کی وجہ سے (خصوصاً دشمن سے) روک بن جاتا ہے۔ نیز تیز دھار، حَدَّ اس نے دھار کو تیز کیا۔ کیونکہ آلات حرب کی دھار کی تیزی جنگ میں دشمن سے بچاؤ اور رکاوٹ کا سبب بنتی ہے (تاج العروس و محیط) بہرحال حَدٌّ کے معنیٰ روکنے کے ہیں، چند جرائم کی سزائیں حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود متعین فرمادی ہیں۔ جن کا مقصد ان جرائم کو روکنا ہے۔ اس لیے ان کو حَدٌّ کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن کریم نے بعض جرائم کی جو سزائیں مقرر فرمادی ہیں وہ انتہائی (Maximum) یعنی زیادہ سے زیادہ سزائیں ہیں۔ لازم نہیں ہے کہ ہر موقعے پر یہی سزائیں دی جائیں۔ عدالت جرم کی نوعیت و کیفیت اور مجرم کے حالات و کوائف پر نظر کرتے ہوئے ان سے کم سزائیں بھی دے سکتی ہے۔ البتہ عام حالات میں انتہائی اور زیادہ سے زیادہ سزائیں جو دی جاسکتی ہیں وہ وہی ہیں جو قرآن نے مقرر فرمادی ہیں، ہاں اگر حالات قابو سے باہر ہوجائیں اور ان سزاؤں سے بھی جرائم کو روکا نہ جاسکے تو ہنگامی طور پر بطور تعزیر ان سزاؤں میں تشدید کی جاسکتی ہے۔

ظاہر ہے کہ جرائم کی نوعیت اپنے خصوصی حالات و کوائف کے ماتحت ہمیشہ یکساں نہیں ہوتی۔ بعض جرائم حالات سے مجبور ہوکر بھی کیے جاتے ہیں، مجرم کی عمر، تعلیم و تربیت، مالی حالات، معاشرہ کے حالات اور دیگر احوال و کوائف سے جرائم کی شدت میں زیادتی اور کمی کی جاسکتی ہے اور تمام حالات میں یکساں سزائیں نہیں دی جاسکتیں۔ اگر قرآنی حدود کو کم سے کم سزا

تصور کیا جائے تو آخر جرم کی نوعیت اگر شدید ترین ہو تو پھر کیا سزا دی جائے گی، لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ سزائیں زیادہ سے زیادہ اور آخری سزائیں ہیں جو عام حالات میں دی جاسکتی ہیں اور اگر جرائم کی نوعیت شدید قسم کی نہ ہو تو عدالت کو یہ اختیار ہونا چاہیے کہ وہ سزا میں حالات کے مطابق کمی کر دے، ایک ہی لاٹھی سے تمام مجرموں کو نہیں ہانکا جاسکتا۔ سرقہ یعنی چوری کی سزا کے سلسلے میں قرآن کریم نے جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللّٰهِ (۵/۲۸) کے الفاظ فرمائے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سزا، ایک تو ان کے جرم کی جزا یعنی بدلہ ہے اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرے لوگوں کے لیے سامان عبرت بھی ہے وہ سزا جس سے دوسروں کو بھی عبرت دلانا مقصود ہو۔ انتہائی آخری سزا ہوا کرتی ہے۔ سورۂ بقرہ میں اصحاب سبت کے واقعے میں بھی ہی نَكَالٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے:

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ (۲/ ۶۵_۶۶)

ترجمہ: اور جن لوگوں نے تم میں سے سبت (ہفتے کے دن) کے سلسلے میں زیادتی کی تھی ان کا حال تمھیں معلوم ہو چکا ہے کہ ہم نے ان سے کہہ دیا تھا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ، ہم نے اِسے اس زمانے کے لوگوں اور بعد میں آنے والوں کے لیے عبرت اور تقویٰ شعار لوگوں کے لیے نصیحت بنا دیا۔

ظاہر ہے کہ اصحابِ سبت کو پہلی مرتبہ سبت کی بے حرمتی کرنے پر یہ سزا نہیں دی گئی تھی، وہ اس کے عادی ہو چکے تھے اور مسلسل اس بے حرمتی کا ارتکاب کیے چلے جا رہے تھے۔ لوگوں نے انھیں منع بھی کیا تھا، ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی جا چکی تھی۔ جب ان کی اصلاح کی کوئی اُمید باقی نہ رہی تو حق تعالیٰ نے انھیں یہ سزا دی جسے قرآن کریم نے نَكَالٌ (عبرت) سے تعبیر فرمایا ہے اسی طرح فرعون کے سلسلے میں یہ لفظ آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اسے تبلیغ فرمائی۔ خدا سے ڈرایا، بڑے بڑے معجزات دکھائے مگر وہ برابر جھٹلاتا رہا اور نافرمانی کرتا رہا:

ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ○ فَحَشَرَ فَنَادٰى ○ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ○ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ○ (۷۹/ ۲۲_۲۵)

ترجمہ: پھر وہ پیٹھ پھیر کر چل دیا اور (موسیٰ کو شکست دینے کی) کوشش کرتا رہا چنانچہ اس نے ملک کے مشہور جادوگروں کو جمع کیا اور پھر اعلان کیا چنانچہ کہا کہ میں ہی تمھارا سب سے برتر پروردگار ہوں، آخر خدا نے اسے پکڑ لیا۔ اگلی پچھلی خطاؤں کی عبرتناک سزا کے لیے۔

فرعون نے سالہا سال تک موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا۔ ہر طرح آپ کا مقابلہ کیا۔ بار بار قوم فرعون پر مختلف انواع کے عذاب نازل ہوتے رہے جن کی تفصیل خود قرآن کریم نے دے دی ہے۔ آخر میں اسے پکڑ لیا گیا اور دریائے قلزم میں مع اپنی فوج کے غرق کر دیا گیا۔ اس آخری اور شدید ترین سزا کو نَكَالٌ فرمایا گیا ہے۔ اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ نَكَالٌ وہ آخری سزا ہوا کرتی ہے جو اس وقت دی جاتی ہے جب پانی بالکل ہی سر سے گزر جائے سرقہ کی حد کے سلسلے میں بھی یہی لفظ استعمال ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری اور انتہائی سزا ہوتی ہے جب مجرم کی بازیافت کی کوئی امید باقی نہ رہے لہٰذا مقررہ حدود وہ آخری اور انتہائی سزائیں ہیں جو ان جرائم پر دی جاسکتی ہیں۔ بہرحال سول کے قانون میں یہ انتہائی سزائیں ہیں لیکن ہنگامی حالات میں اگر یہ سزائیں بھی کافی ثابت نہ ہوں تو حکومت وقت جیسا کہ ہنگامی حالات میں سول قانون کو معطل کر کے فوجی قانون (مارشل لا) نافذ کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے اسی طرح وہ ان احکام میں مزید شدت بھی کر سکتی ہے لیکن یہ مستقل قانون نہیں ہوگا۔ ہنگامی حالات جب رفع ہو جائیں تو اصل اور عام قانون پھر سے نافذ ہو جائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی زنا کی حد پر ملک بدر کرنے کا اضافہ فرمایا تھا۔

حدِ زنا قرآن کی روشنی میں

اسلام کی نظر میں زنا انتہائی شدید جرم ہے۔ مال، جان، آبرو۔ ہر انسان کی متاع حیات ہوتی ہے۔ ہر شریف آدمی کے نزدیک ان کی ترتیب بھی یہی ہے۔ مال عزیز ترین متاع حیات ہے لیکن اسے جان کی حفاظت کے لیے قربان کیا جاسکتا ہے کیونکہ جان مال سے زیادہ قیمتی چیز ہے لیکن عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے جان کا نذرانہ پیش کیا جاسکتا ہے اور پیش کیا جاتا ہے کیونکہ سب سے اعلیٰ متاع حیات انسان کی عزت و آبرو ہی ہوتی ہے۔ زنا کا جرم انسان کی عزت و آبرو پر حملہ ہوتا ہے اس سے آدمی دوسرے کی عزت و آبرو پر ڈاکہ ڈالتا ہے اور اسے لوٹ لیتا ہے جو انتہائی گھناؤنا جرم ہے۔ اسلام نے اس کی سزا بھی اتنی ہی شدید رکھی ہے جتنا جرم شدید ہے چنانچہ سورۂ النور میں ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲/۲۴)

ترجمہ: ہر زنا کار عورت اور زنا کار مرد ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو

اور تمھیں ان دونوں پر کوئی ترس نہ آنا چاہیے اللہ کے دین میں۔ اگر تم واقعی اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ اور ان دونوں کی اس سزا کا مسلمانوں میں سے ایک گروہ مشاہدہ کرے۔

یعنی یہ سزا مجمع عام میں دی جائے کہیں چھپ چھپا کر نہ دی جائے۔ کیونکہ مقصد صرف ان لوگوں کو سزا دینا ہی نہیں ہے بلکہ لوگوں کے لیے عبرت و موعظت کا سامان مہیا کرنا بھی ہے۔ عبرت و موعظت اسی وقت ہوسکتی ہے جب یہ سزا سب لوگوں کے سامنے مجمع عام میں دی جائے۔ اسلام چاہتا ہے کہ اس جرم کی جڑ ہی کٹ جائے اور کسی کو آئندہ اس شنیع جرم کے ارتکاب کی جسارت ہی نہ ہوسکے۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِیْ (ہر زنا کار مرد اور زنا کار عورت) بالکل واضح الفاظ ہیں ان دونوں پر الف و لام استغراق کا ہو یا جنس کا، ہر اس شخص کو اپنے تحت لے آتا ہے جس سے زنا کا ارتکاب ہوا ہو۔ جوان آدمی زنا کرے، ادھیڑ آدمی زنا کرے، بوڑھا آدمی زنا کرے، کنوارا آدمی زنا کرے یا شادی شدہ آدمی زنا کرے۔ سب کو زانی ہی کہا جاتا ہے اسی طرح ہر عورت جوان، ادھیڑ، بوڑھی، کنواری اور شادی شدہ جو بھی زنا کی مرتکب ہو وہ زَانِيَةٌ ہی کہلاتی ہے۔ قرآن کریم نے ہر زنا کار عورت اور ہر زنا کار مرد کی سزا بیان فرمادی ہے اور اس میں سوائے شادی شدہ کنیز کے جو زنا کی مرتکب ہو (جس کی سزا ۴/۲۵ میں بیان فرمادی گئی ہے) کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی گئی نہ کسی قسم کا کوئی استثناء فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا قرآن کریم کی رو سے ہر زنا کار کی سزا (سوائے شادی شدہ لونڈی) کے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہر دو صورتوں میں سو درے مارنا ہے، زنا کی سزا کے سلسلے میں قرآن کریم میں جتنی آیتیں آئی ہیں ان سب سے رجم کی نفی ہی ہو رہی ہے۔ لیکن تمام فقہائے اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد اگر کنوارے ہوں تو ایک سو درّے کی سزا دی جائے گی، لیکن اگر وہ شادی شدہ ہوں تو انھیں رجم (سنگسار) کیا جائے گا تا آنکہ وہ مرجائیں۔ البتہ خوارج، معتزلہ، بعض زیدی شیعہ اور بعض مغاربہ (مالکیہ) نے رجم کا انکار کیا ہے۔ (نظام التجریم والعقاب فی الاسلام جلد ۱، صفحہ ۱۸۲۔ اس کتاب کی اہمیت اور اس کے مزید کچھ حوالے آگے آرہے ہیں و فتح الباری جلد ۱۵، صفحہ ۱۲۷ و نیل الاوطار باب الرجم)

ہم ان حضرات کی تائید نہیں کرتے جو رجم کا قطعاً انکار کر دیتے ہیں ہمارے نزدیک صرف یہ دعویٰ بے بنیاد ہے کہ رجم قرآنی حد ہے۔ ہم رجم کو تسلیم کرتے ہیں لیکن قرآنی حد کی حیثیت سے نہیں بلکہ تعزیر کی حیثیت سے مملکت اسلامی زنا کی سزا رجم یا رجم سے بھی زیادہ بطور

تعزیر کے دینا چاہے تو وہ یقیناً دے سکتی ہے۔ تاہم رجم ہمارے نزدیک قرآنی حد نہیں ہے۔ ہمارے استاد مولانا عبید اللہ سندھی اپنی تفسیر ''الہام الرحمٰن'' میں فرماتے ہیں:

فمثلا عددوا الرجم من الحدود، وانماهو تعزير، وقد اخذوه من التوارة.

لوگ رجم کو بھی حدود میں شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ رجم کی حیثیت تعزیر کی ہے۔ لوگوں نے یہ سزا توراۃ سے لی ہے۔

(الہام الرحمٰن، جلد دوم، صفحہ ۱۵۱)

(۲) زنا ہی کے سلسلے میں:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (۲/۲۴)

ترجمہ: ہر زنا کار عورت اور ہر زنا کار مرد (زنا کا ارتکاب کریں) تو ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔

سے اگلی ہی آیت میں آگے آرہا ہے کہ:

اَلزَّانِیْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (۳/۲۴)

ترجمہ: ہر زنا کار مرد بجز زنا کار یا مشرک عورت کے کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کرے اور ہر زنا کار عورت سے بجز زنا کار یا مشرک مرد کے کوئی دوسرا آدمی نکاح نہ کرے۔ مومنوں پر یہ حرام کر دیا گیا ہے۔

اس آیت کریمہ میں بھی ''الزانیۃ'' اور الزانی پر الف لام استغراق یا جنس کا ہے جس سے تمام زنا کار عورتوں اور مرد مراد ہیں، یہاں بھی جوان، ادھیڑ، بوڑھے، شادی شدہ اور کنوارے کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور ان سب کے متعلق یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ بجز زانی اور مشرک کے پاک دامن اور عفت مآب مومن مردوں اور عورتوں سے شادی نہیں کرسکتے۔ مومن پاکباز عورتوں اور مردوں کے ساتھ ان کا نکاح کرنا حرام ہے جس سے معلوم ہوا کہ زنا کار عورتوں اور مردوں کے لیے اس کا امکان تھا کہ وہ پاکباز مردوں اور عورتوں سے نکاح کرسکیں جب ہی تو اس کو حرام کیا گیا ہے اور اگر اس کا امکان ہی نہیں تھا تو پھر اس ممانعت اور حرام کرنے کے کوئی معنے ہی نہیں بنتے۔ اگر زنا کار مردوں اور عورتوں کو زنا کی سزا میں سنگسار (رجم) کر کے انھیں زندگی ہی سے محروم کر دیا جائے تو پھر تو اس کا امکان ہی باقی نہیں رہتا کہ وہ کسی پاکباز مومن مرد اور عورت سے شادی کرسکیں۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ انھیں رجم کر کے جان سے مار ڈالنا قرآنی حکم نہیں

ہے ورنہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد بے معنیٰ ہوجاتا ہے۔

(۳) سورۂ نسا میں باندیوں کے متعلق اگر وہ زنا کی مرتکب ہوں فرمایا گیا ہے:

فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ (۴/۲۵)

ترجمہ: تو وہ جب شادی شدہ ہوں تو اگر وہ فاحشہ (زنا) کی مرتکب ہوجائیں تو ان پر اس سزا کا نصف ہوگا جو محصنہ عورتوں پر ہوا کرتی ہے۔

اس آیت کریمہ میں بتایا جا رہا ہے کہ محصنہ عورتوں کو جتنی سزا دی جاتی ہے اس سے آدھی سزا ان شادی شدہ کنیزوں کو دی جائے گی یعنی محصنہ عورتوں کی سزا ایسی ہوتی ہے جسے آدھا کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ رجم کی سزا کو تو آدھا کیا ہی نہیں جاسکتا۔ لامحالہ ان کی سزا سو دُرّے ہی ہونی چاہیے تاکہ اس کے نصف یعنی پچاس درے ان کنیزوں کو لگائے جاسکیں۔ چنانچہ تمام فقہائے امت متفقہ طور پر کنیزوں کے متعلق یہی فرماتے ہیں کہ اگر وہ شادی شدہ ہوں تو ان کو پچاس کوڑے سزا دی جائے گی۔ لہٰذا یہ آیت بھی رجم کی نفی فرما رہی ہے کیونکہ رجم کی سزا کو آدھا کر لینا ممکن نہیں ہے اور اس آیت کے مطابق محصنات کی سزا ایسی ہونی چاہیے جسے آدھا کرنا ممکن ہو۔

محصنات کے معنیٰ تین آتے ہیں (۱) شادی شدہ عورتیں (۲) پاک دامن عورتیں (۳) خاندانی وجاہت و شرافت کی وجہ سے محفوظ و مامون عورتیں۔ اس آیت میں اس کے معنیٰ پاک دامن عورتیں تو ہو نہیں سکتے کیونکہ یہ عورتیں سزایاب ہیں۔ اگر وہ پاک دامن ہیں تو ان کی سزا کا آدھا کرنا بے معنے ہے۔ لامحالہ اس کے معنے یا تو شادی شدہ عورتوں کے ہوں گے یا خاندانی صاحب وجاہت عورتوں کے ہوں گے جو اپنی ذاتی وجاہت سے محفوظ و مصوّن ہوں۔ اگر شادی شدہ عورتوں کے معنیٰ ہوں تو ثابت ہوا کہ ان کی سزا قرآن سے رجم نہیں ہے بلکہ سو کوڑے ہے کیونکہ اسی سزا کو نصف کر لینا ممکن ہے اگر تیسرے معنیٰ یعنی خاندانی صاحب وجاہت عورتوں کے لیے جائیں تب بھی خاندانی صاحب وجاہت عورتیں کنواری بھی ہوتی ہیں اور شادی شدہ بھی۔ لہٰذا اس آیت سے ثابت ہوا کہ کنواری اور شادی شدہ دونوں قسم کی عورتوں کی سزا سو کوڑے مارنا ہے رجم نہیں ہے کیونکہ سو کوڑوں ہی کو نصف کر لینا ممکن ہے۔ رجم کو نصف کر لینا ممکن نہیں ہے (اس آیت پر تفصیلی بحث آگے آ رہی ہے)۔

(۴) علاوہ ازیں خود قرآن کریم کی سورۂ النور کی آیت (۲۴/۸) سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رجم قرآنی حد نہیں ہے بلکہ قرآن کے خلاف ہے۔ آیت کریمہ سے بحث کرنے سے پہلے

لفظ عَذَابٌ کی تحقیق ضروری ہے عذاب کا لفظ ہمارے ہاں اردو میں بھی مستعمل ہے۔ لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ عربی زبان میں عذاب کے کیا معنے ہوتے ہیں۔ جہاں تک اہل لغت کی تصریحات کا تعلق ہے ان سے یہ بات ظاہر ہے کہ عذاب اس اذیت اور تکلیف کو کہتے جو بطور سزا کے کسی کو دی جائے۔ عذاب کے معنے میں قتل کر دینا نہیں آتا۔ عَذَّبَ کے بنیادی معنوں میں تین باتیں شامل ہوتی ہیں: (۱) پانی کی خوش گواری اور شیرینی جو پیاس کو روک دیتی ہے (۲) اذیت اور تکلیف جو زندگی کے آرام میں حائل ہوجاتی ہے اور (۳) بندش منع کرنا اور رکاوٹ۔ یہ تینوں باتیں آدمی کی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ موت سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

ابن فارس نے لکھا ہے کہ ..... خلیل نے بیان کیا ہے۔ عَذَّبْتُهُ تَعْذِيباً یعنی میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا۔ یہ امتناع کے باب سے ہے یعنی کھانے پینے سے روک دینا، اس کے دوسرے معنے جو پہلے معنیٰ سے کوئی مشابہت نہیں رکھتے عذاب ہیں۔ کہا جاتا ہے عَذَّبْتُهُ تَعْذِيباً۔ لوگ کہتے ہیں کہ اصل عذاب مارنا پیٹنا ہوتا ہے اور انھوں نے زہیر کے اس شعر سے استدلال کیا ہے:

وَخَلْفَهَا سَائِقٌ يَحْدو إِذَا خَشِيَتْ
مِنْهُ الْعَذَابَ تَمُدَّ الصُّلْبَ وَالْعُنُقَا

(اس کے پیچھے اس کو ہانکنے والا حدی پڑھ رہا ہے، جب اسے اس کی مار پیٹ کا اندیشہ ہوتا ہے تو کمر کی ہڈی اور گردن کو دراز کر لیتی ہے)

پھر یہ لفظ ہر شدت اور سختی میں استعارۃً استعمال ہونے لگا (ابن فارس جلد۲، ص ۲۶۰ مطبوعہ داراحیائے الکتب العربیہ عیسیٰ البابی الحلبی، مصر) امام راغب نے ''مفردات القرآن'' میں لکھا ہے کہ عَذَّبْتُه کے معنے ہیں کہ میں نے اسے زندگی کی لذت اور خوش گواریوں سے محروم کر دیا جیسا کہ مَرَّضْتُه میں نے اس سے مرض کو دور کر دیا۔ قَذَّيْتُه، میں نے اس کی آنکھ سے تنکا نکالا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ دراصل اَلتَّعْذِيبُ کے معنے ہیں کسی کو کوڑے کے عَذَبَةٌ یعنی سرے سے متواتر مارنا۔ چنانچہ بعض علمائے لغت نے تَعْذِيبٌ کے معنے ہی مارنا (پیٹنا) لکھے ہیں (مفردات القرآن مع ترجمہ و حواشی شیخ الحدیث مولانا محمد عبدہ فیروز پوری مطبوعہ اہلحدیث اکیڈمی، لاہور)۔

ان تصریحات سے آپ نے دیکھ لیا کہ عَذَابٌ کے معنیٰ زندگی کی وہ اذیت و تکلیف ہے جو بطور سزا کے کسی کو دی جائے بلکہ بعض اہل لغت نے اس کے معنے ہی مارنا پیٹنا لکھا ہے

بلکہ بعض علمائے لغت نے تو فرمایا ہے کہ اس کے معنی کوڑے کے سرے سے متواتر مارنے کے ہوتے ہیں، اس کی تائید خود قرآن کریم کی آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے چنانچہ سورۂ نور میں ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲/۲۴)

ترجمہ: ہر زنا کار مرد اور زنا کار عورت کو سو کوڑے مارو اور تمھیں اللہ کے دین کے معاملے میں ان دونوں پر کوئی ترس نہ آنا چاہیے اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور ان دونوں کے عذاب (سزا) میں مسلمانوں کے ایک گروہ کو حاضر رہنا چاہیے۔

اس آیت کریمہ میں ہر زانی اور زانیہ کو سو کوڑے کی سزا دی جا رہی ہے اور قرآن نے اسے عَذَابٌ کے لفظ سے ہی تعبیر فرمایا ہے کہ اس عذاب کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ حاضر رہے۔ یعنی سزا مجمع عام میں دی جائے۔ جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ عَذَابٌ کے معنے کوڑے مارنے بلکہ مسلسل مارنے کے ہوتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد اب اس آیت کریمہ پر غور فرمائیے لِعَان کے سلسلے میں اسی سورۂ نور میں جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور گواہ پیش نہ کر سکے تو دونوں میاں بیوی (لعان کریں یعنی) پانچ پانچ قسمیں کھائیں۔ اسی سلسلے میں ہے:

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ (۸/۲۴)

ترجمہ: اور بیوی اپنے سے عذاب کو اس طرح ٹلا سکتی ہے کہ وہ چار شہادتیں دے (قسمیں کھائے) اللہ کی کہ اس کا شوہر جھوٹا ہے۔

لِعَان کرنے والی یہ عورت مُحْصَنَۃ ہے یعنی شادی شدہ ہے اور وہ عذاب (یعنی کوڑوں کی سزا یا مار پیٹ کی سزا) کو پانچ قسمیں کھا کر ٹلا رہی ہے، جیسا کہ ہم نے علمائے لغت کی تصریحات سے ثابت کیا ہے کہ عذاب کبھی بھی قتل کی صورت میں نہیں ہوتا۔ واضح رہے کہ یہ عورت شادی شدہ ہے اس کے لیے قرآن اس کی مقررہ سزا قتل (رجم کی صورت میں) نہیں بتا رہا ہے بلکہ جسمانی سزا... بلکہ کوڑوں کی سزا بتا رہا ہے کہ عورت پانچ قسمیں کھا کر اسے اپنے سے ٹال سکتی ہے۔ بالفرض اگر قرآنی حد محصنہ کے لیے رجم ہوتی تو قرآن کریم کو یہاں ویدرؤا عنھا

اَلْعَذَابَ کے بجائے وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الرَّجْمَ یا وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْقَتْلَ فرمانا چاہیے تھا۔ لیکن قرآن نے ایسا نہیں فرمایا۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآنی حد رجم نہیں ہے بلکہ کوڑے مارنا ہی ہے۔ لیکن اگر حکومت اسلامیہ ضروری سمجھے تو وہ سزا میں تعزیراً اور سیاستہً تشدید کر سکتی ہے اور وہ تشدید قتل اور رجم کی صورت میں بھی کی جا سکتی ہے۔

هٰذَا مَا رَأَيْتُهٗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

قرآن کریم میں زنا کے سلسلے میں یہ چار آیتیں آئی ہیں۔ دو تو مطلق زنا کاروں کے متعلق ہیں (۲/۲۴ اور ۳/۲۴) ایک زنا کار کنیزوں کے متعلق ہے اور چوتھی آیت لِعَان کے متعلق ہے۔ یہ چاروں آیتیں رجم کی نفی کر رہی ہیں اور ان سے ہر زنا کار مرد اور ہر زنا کار عورت، شادی شدہ اور غیر شادی شدہ، نیز ہر عمر کی عورت کی سزا سو کوڑے معلوم ہو رہی ہے۔ البتہ حکومت اگر چاہے تو عارضی طور پر خاص حالات کے تحت اس میں تشدید کر سکتی ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سو کوڑوں کے ساتھ ایک سال کے لیے جلاوطنی کی سزا کا اضافہ فرما دیا تھا۔

فقہائے اہل سنت چونکہ سزائے رجم پر متفق ہیں کہ زنا کار عورت اور مرد اگر شادی شدہ ہوں تو ان کو سنگسار کیا جائے گا اس لیے ہمیں اس مسئلے پر تفصیلی بحث کرنی پڑے گی۔

رجم کی تاریخ

واقعہ یہ ہے کہ رجم (یعنی سنگسار کرنا) تورات کا حکم تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینۂ منورہ کے یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ان میں سے ایک عورت اور ایک مرد نے زنا کا ارتکاب کیا ہے (قرآن کریم میں اس وقت تک زنا کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا) آپ نے یہودیوں سے پوچھا کہ رجم کے بارے میں تم تورات میں کیا پاتے ہو؟ یہودیوں نے کہا کہ ہم تو زنا کاروں کو رسوا کرتے ہیں اور کوڑے مار دیتے ہیں (ایک اور روایت میں ہے کہ) ہم ان کا منہ کالا کر دیتے ہیں اور کانٹوں کو ان کے سروں پر ڈال دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا تورات لاؤ اور اسے پڑھو۔ اگر تم سچے ہو (بخاری اور مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ.... انھوں نے کہا ہم ان کا منہ کالا کر دیتے ہیں اور کوئلے پیس کر ان کے منہ پر مل دیتے ہیں اور دونوں کو (گدھے) پر سوار کر دیتے ہیں اس طرح کہ دونوں کا منہ ایک دوسرے کے خلاف سمت میں ہوتا ہے اور ان کی کمر سے کمر ملی ہوتی ہے۔ اس طرح ہم انھیں شہر میں گھماتے ہیں۔ تو حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ تورات میں رجم کا حکم ہے لہٰذا تورات لے کر آؤ، وہ تورات لے

کر آئے۔ اسے کھولا، ان میں سے ایک آدمی نے رجم کی آیت پر ہاتھ رکھ لیا اور اس سے آگے اور پیچھے کی آیات پڑھ دیں۔ تو عبداللہ ابن سلامؓ نے کہا کہ ذرا اپنا ہاتھ ہٹاؤ، اس نے ہٹایا تو وہاں رجم کی آیت لکھی ہوئی تھی۔ تو یہودی کہنے لگے کہ ہاں اے محمد! عبداللہ ابن سلامؓ نے سچ ہی کہا تھا۔ اس میں رجم کی آیت لکھی ہوئی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں (یہودی عورت اور مرد) کو رجم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ وہ مرد اس عورت پر جھکا جاتا تھا تاکہ پتھروں سے اسے بچا سکے۔ ایک دوسرے روایت میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت آئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محلّہ قف میں تشریف لے چلنے کی دعوت دی چنانچہ آپؐ ان کے مدرسہ (بیت المدراس) میں تشریف لے گئے۔ تو انھوں نے عرض کیا کہ اے ابوالقاسم (آنحضرتؐ کی کنیت ہے) ایک آدمی نے ہم میں سے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے۔ آپ ان کے درمیان فیصلہ فرما دیجیے انھوں نے آپؐ کے لیے گدا بچھا دیا اور آپؐ اس گدے پر بیٹھ گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس تورات لے کر آؤ۔ چنانچہ تورات لائی گئی آپؐ نے گدا اپنے نیچے سے کھینچ کر تورات کو اس پر رکھا اور فرمایا کہ اے تورات میں تجھ پر ایمان لایا ہوں اور اس ذات پر بھی جس نے تجھے نازل کیا۔ پھر فرمایا جو تم میں سے بڑا عالم ہو اسے بلاؤ۔ (آگے وہی مذکورہ تفصیل ہے)۔ (بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی و ابن ماجہ) اور ابوداؤد نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ یہودیوں میں ایک مرد اور عورت نے زنا کا ارتکاب کیا تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمیں اس نبی کے پاس لے کر چلو کیونکہ وہ ایسا نبی ہے جسے احکام میں تخفیف دے کر بھیجا گیا ہے۔ تو اگر اس نے کوئی ایسا فتویٰ دیا جو رجم سے کم ہوا تو ہم اسے مان لیں گے اور اللہ کے سامنے ہم یہ حجت پیش کر دیں گے کہ ہم نے انبیاء میں سے تیرے ایک نبی کے فتوے پر عمل کیا تھا۔ چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "اے ابوالقاسم! یہودیوں میں سے ایک عورت اور مرد کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جنھوں نے زنا کیا ہے؟"۔ تو آپؐ نے منہ سے کوئی بات نہیں نکالی تاآنکہ آپؐ ان کے مدرسے (بیت المدراس) میں پہنچ گئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا "میں تمھیں اس ذات الٰہی کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی تھی کہ تم تورات میں اس شخص کے متعلق کیا حکم پاتے ہو جس نے زنا کیا ہو جبکہ وہ شادی شدہ ہو؟"۔ انھوں نے کہا کہ "اس کا منہ کالا کیا جائے گا اور دونوں کو گدی سے گدی ملا کر گدھے پر سوار کر کے پورے شہر میں گھمایا جائے گا اور ان کے کوڑے مارے جائیں گے"۔ ایک نوجوان آدمی ان میں سے خاموش کھڑا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خاموش دیکھا تو آپؐ نے

اس نوجوان کو اصرار کے ساتھ دوبارہ قسم دے کر اس سے پھر پوچھا، اس نے عرض کیا "اللہ معاف فرمائے۔ چونکہ آپ نے ہمیں قسم دے دی ہے۔ لہٰذا تورات میں تو ہم رجم کا حکم پاتے ہیں"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ اس کی ابتداء کیسے ہوئی کہ تم نے اللہ کے حکم کو اتنا سستا بنا دیا (کہ اس کو چھوڑ کر تم دوسری سزائیں دینے لگے)۔ تو انھوں نے بتایا کہ ہمارے بادشاہوں میں سے کسی کے قرابت دار نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ بادشاہ نے رجم کے حکم کو تعویق میں ڈال دیا۔ پھر کسی عام خاندان کے آدمی سے زنا کا ارتکاب ہوگیا تو بادشاہ نے اسے سنگسار کرنے کا ارادہ کیا تو اس آدمی کا خاندان اس میں حائل ہوگیا۔ وہ کہنے لگے کہ تم ہمارے آدمی کو سنگسار نہیں کر سکتے جب تک خود اپنے آدمی کو نہ لاؤ۔ اور اسے سنگسار نہ کردو۔ بالآخر انھوں نے باہمی طور پر (رجم کے بجائے) موجودہ سزاؤں پر صلح کر لی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں تو وہی فیصلہ کروں گا جو خود تورات میں ہے چنانچہ آپ نے حکم صادر فرما دیا اور ان دونوں کو سنگسار کر دیا گیا۔ زہریؒ کہتے ہیں کہ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ قرآن کریم کی یہ آیت انھی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيْهَا هُدًى وَ نُوْرٌ يحكم بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا
(۴۴/۵)

ترجمہ: ہم نے تورات کو نازل کیا تھا جس میں ہدایت اور روشنی تھی اس کے مطابق وہ تمام انبیاء جو مطیع و فرمابردار تھے فیصلے کیا کرتے تھے۔

ہمارے حضورؐ بھی انھی انبیاء میں سے ہیں۔ نیز ابوداؤد ہی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ یہودی ایک مرد اور ایک عورت کو لے کر آئے جنھوں نے زنا کیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے میں سے دو بڑے عالموں کو لے کر آؤ۔ چنانچہ وہ صوریا یہودی کے دونوں بیٹوں کو لے کر آئے۔ آپؐ نے ان دونوں کو قسم دے کر پوچھا کہ ان جیسے دو آدمیوں کا حکم تورات میں تم کس طرح پاتے ہو؟ تو ان دونوں نے بیان کیا کہ جب چار گواہ اس بات کی شہادت دے دیں کہ انھوں نے مرد کے آلۂ تناسل کو عورت کی شرمگاہ میں اس طرح دیکھا ہے جیسا کہ سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے تو ان دونوں کو سنگسار کر دیا جائے گا۔ آپؐ نے پوچھا کہ پھر تمھیں سنگسار کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہماری سلطنت تو جاتی رہی۔ اب ہمیں یوں قتل کرنا برا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہوں کو بلایا تو چار گواہ آئے اور انھوں نے شہادت دی کہ انھوں نے مرد کے آلۂ تناسل کو عورت کی شرمگاہ میں بالکل ایسے دیکھا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

دونوں کو سنگسار کر دینے کا حکم دے دیا (یہ تمام روایات ہم نے مشہور مجموعۂ احادیث ''جمع الفوائد'' جلد ۱، صفحہ ۲۸۸ سے لی ہیں)۔

مؤلف ''جمع الفوائد'' نے روایات کے تمام مختلف بیانات کو جو صحاح میں آئے ہیں سب کو یک جا کر دیا ہے جس سے رجم کی تاریخ کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ان تمام تفاصیل سے معلوم ہوگیا کہ قرآن کریم میں اس وقت تک ''زنا'' کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اسی لیے جب یہود نے آپ سے درخواست کی تو آپ خاموش رہے آپؐ نے ایک لفظ منہ سے نہیں نکالا اور یہودی علماء سے قسمیں دے کر دریافت فرمایا کہ تم تورات میں اس کا کیا حکم پاتے ہو؟ انھوں نے حسب عادت لیت ولعل سے کام لیا اور ''رجم'' کے حکم کو آپؐ سے چھپانے کی کوشش کی۔ پھر عبداللہ ابن سلامؓ نے جو خود تورات کے بڑے عالم تھے، ان کے اس کتمان حق کا بھانڈا پھوڑ دیا اور علمائے یہود میں سے ایک نوجوان عالم نے یا صوریا یہودی کے دونوں بیٹوں نے اقرار کرلیا کہ ہاں تورات میں رجم کا حکم موجود ہے۔ صوریا یہودی کے دونوں بیٹوں نے ثبوت زنا کے لیے شہادت کی جو صورت بیان کی تھی وہ بھی آج تک ہماری کتب فقہ کی زینت بنی ہوئی ہے یعنی چار گواہ ہونے چاہئیں اور وہ یہ بیان دیں کہ ہم نے ان دونوں کو مصروف زنا دیکھا ہے حتیٰ کہ اس ارتکاب زنا کی جو تمثیل كَالْمِيْلِ فِىْ الْمكحَلَة (جیسے سرمہ دانی میں سلائی) صوریا یہودی کے بیٹوں نے بیان کی تھی وہ آج تک ہماری کتب فقہ میں انھی الفاظ کے ساتھ درج چلی آرہی ہے۔

تورات کے مطابق آنخضرتؐ کا عمل

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تورات کا یہ حکم معلوم ہوجانے کے بعد خود آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس پر عمل فرمایا ہے اور حضرت ماعزا سلمیؓ اور ایک خاتون جن کا تعلق قبیلۂ بنو غامد سے تھا (روایات میں انھیں غامدید کہا گیا ہے۔ ان کا نام نہیں بتایا گیا) اور تیسرے قبیلۂ جہینہ کی خاتون کو جرم زنا کے اقرار پر آپؐ نے سنگسار فرمایا ہے۔ روایات میں چند اور واقعات بھی بغیر نام لیے بیان کیے گئے ہیں۔ اغلب یہی ہے کہ وہ انھی تین اصحاب سے متعلق ہیں لیکن ممکن ہے کہ وہ ان کے علاوہ دوسرے حضرات سے تعلق رکھتے ہوں۔ بہرحال یہ بات تاریخ اور روایات سے ثابت ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تورات کے اس حکم پر تعزیراً عمل فرمایا ہے۔ اور یہ بات کسی تعجب یا حیرت کا باعث نہیں ہے بلکہ یہ بھی قرآن کے حکم ہی کی تعمیل تھی، کیونکہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی حکم دیا گیا تھا، چنانچہ سورۂ انعام میں مختلف انبیائے

کرام کے تذکرۂ جلیلہ کے بعد فرمایا گیا تھا:

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ج وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ○ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَلَوْاَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ٥ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ج فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ٥ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ط قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ، اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ○ (۶/ ۸۷-۹۰)

ترجمہ: اور (مذکورہ) انبیاء و رسل کے آباؤاجداد، ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بہت سے ہیں جنھیں ہم نے منتخب کرلیا تھا اور جنھیں ہم نے ہدایت دی تھی سیدھے راستے کی طرف۔ یہ تو اللہ کی ہدایت ہے اس کے ذریعے اللہ جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے صحیح راہ پر لگا دیتا ہے اگر انھوں نے (خدانخواستہ) شرک کیا ہوتا تو ان کے تمام اعمال اکارت چلے گئے ہوتے، یہ وہ حضرات ہیں جنھیں ہم نے کتاب، حکومت اور نبوت عطا فرمائی تھی تو اگر یہ لوگ ان باتوں کا انکار کریں تو ہم نے ان امور پر ایسے لوگوں کو مقرر کر دیا ہے جو ان کے منکر نہیں (یعنی پیروان اسلام) یہی وہ حضرات ہیں، جنھیں اللہ نے ہدایت عطا فرمائی تھی (اے پیغمبر اسلام) آپ بھی ان کی ہدایت کی پیروی فرمائے اور فرما دیجیے کہ میں تم سے اس امر کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ یہ تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ تمام جہان والوں کے لیے ایک یاددہانی اور نصیحت ہے)۔

ان آیات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ انبیاء سابقین کی ہدایت کی آپ بھی پیروی فرمائیں کیونکہ ان کو جو روشنی اور ہدایت عطا فرمائی گئی تھی۔ وہ بھی منجانب اللہ ہی تھی، چنانچہ یہ فقہ میں طے شدہ مسئلہ ہے کہ جب تک قرآن کریم میں کسی معاملے کے متعلق کوئی ہدایت نازل نہ ہوئی ہو تو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ شریعتوں ہی کی پیروی فرمایا کرتے تھے اس لیے اگر رجم کے مسئلے میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعزیراً تورات کے حکم کی پیروی فرمائی ہے تو کوئی عجیب بات نہیں ہے بلکہ عین قرآن کریم کے مطابق ہے۔

تورات میں رجم

یہ بات صرف ہمارا قیاس نہیں ہے بلکہ تورات میں یہ حکم آج بھی موجود ہے چنانچہ تورات کے کتاب استثناء میں ہے ''پر اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں

پائے گئے تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازے پر نکال لائیں اور اس شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مرجائے کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ پن کیا یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔ اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مارے جائیں۔ یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں تو اسرائیل سے ایسی برائی کو دفع کرنا۔ اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب کی گئی ہو اور دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر صحبت کرے تو تم دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مرجائیں، لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہیں چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنے ہمسائے کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا (کتاب استثناء، باب ۲۲، فقرات ۲۰ تا ۲۴)

لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کے اس حکم کے مطابق عربوں کے ابتدائی حالات میں رجم کی سزا کو اپنا لیا تھا چنانچہ جب تک قرآن کریم میں زنا کی سزا نازل نہیں ہوئی تھی آپؐ بھی اس پر عمل فرماتے رہے اور آپؐ کا یہ عمل عین قرآن کے مطابق تھا کیونکہ آپؐ کو پچھلے انبیاء کی شریعتوں پر عمل کرنے اور ان کا اقتداء کرنے کا حکم تھا لیکن قرآن کا حکم نازل ہونے کے بعد بطور شرعی حکم کے اس کی پیروی کرنے کا کوئی امکان نہیں تھا البتہ خصوصی حالات میں بطور سیاست وتعزیر کے آپؐ اس پر عمل فرما سکتے تھے۔

رجم پر آسمانی مذاہب کا اجماع؟

ہمارے بعض کرم فرماؤں نے رجم پر تمام آسمانی مذاہب کے اجماع کا دعویٰ فرما دیا ہے جو بداہۃً غلط ہے۔ یقیناً تورات میں رجم کا حکم نازل ہوا تھا لیکن تورات کے اس حکم کو موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام نے منسوخ فرما دیا تھا اور عیسائی شریعت میں اس پر کبھی عمل نہیں ہوا۔

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجین میں ہے:

''ابتداً اس کی سزا یہ تھی کہ زانی اور زانیہ کو چرچ سے خارج کر دیا جاتا تھا، یعنی اجتماعی عبادات میں وہ شریک نہیں ہوسکتے تھے۔ البتہ اگر وہ توبہ کر لیتے تو معافی مل جاتی تھی اور اگر شوہر کی مرضی کے بغیر کسی سے جنسی اختلاط ہوتا تھا تو جرم تھا، لیکن چونکہ شوہر کو بیوی پر پورے اختیارات

ہوتے تھے کہ وہ جسے چاہے اپنی بیوی کو عاریۃً دے دے، اس لیے اگر شوہر کی مرضی سے ایسا ہوتا تھا تو وہ جرم نہیں تھا۔'' (بحوالہ جیلنسیس بائبل، باب ۲۶ و ۳۴۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنیز، جلد ۲، صفحہ ۱۳۰)

نیز خود کتاب مقدس انجیل میں ہے کہ:

''ایک دن یسوع مسیح کے پاس فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی اور اسے بیچ میں کھڑا کر کے یسوع سے کہا۔ ''اے استاذ! یہ عورت زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہے پس تو اس عورت کی نسبت کیا کہتا ہے؟'' مسیح نے ان سے کہا ''جو تم میں بے گناہ ہو وہی پہلے اس کے پتھر مارے۔'' یہ سن کر بڑوں سے لے کر چھوٹوں تک ایک ایک کر کے نکل گئے اور یسوع اکیلا رہ گیا۔'' (انجیل یوحنا، باب ۸)

یعنی اس پورے مجمع میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں نکلا جو اس گھناؤنے جرم سے پاک ہو۔ واضح ہو کہ جو عورت حضرت مسیح علیہ السلام کے سامنے پیش کی گئی تھی وہ عین فعل زنا کے وقت پکڑی گئی تھی اور جن لوگوں نے اسے پکڑا تھا وہی اس کے شاہد بھی تھے۔ جرم زنا قطعاً ثابت تھا، لیکن حضرت مسیح نے اسے رجم کی سزا نہیں دی بلکہ کوئی سزا ہی نہیں دی اور جب تمام لوگ اپنا اپنا منہ شرم سے جھکائے چلے گئے تو حضرت مسیح علیہ السلام نے اس عورت کو چھوڑ دیا اور چلے جانے کے لیے ارشاد فرمایا۔ جس سے ثابت ہوگیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے تورات کے حکم کو قابل عمل نہیں سمجھا کیونکہ وہ منسوخ ہو چکا تھا اور چونکہ انجیل مقدس میں کوئی نیا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لیے آپ نے اسے کوئی سزا نہیں دی۔

انسان جب تک بچہ رہتا ہے سن شعور کو نہیں پہنچتا، اس وقت تک ماں باپ اور استاذ بچے کو مارتے بھی ہیں اور پیٹتے بھی ہیں اور ترہیب وتخویف سے کام لیتے ہیں۔ لیکن جب بچے سن شعور کو پہنچ جاتے ہیں اور اپنے برے بھلے کو سمجھنے لگتے ہیں تو بجائے مارنے پیٹنے کے ان کے عقل وشعور سے اپیل کی جاتی ہے۔ اگر وہ سمجھانے بجھانے سے نہیں سمجھتے تو کوئی ماں باپ یا کوئی استاذ انھیں مار پیٹ کر راہِ راست پر لانے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہ اگر نہیں مانتے تو بھاڑ میں جائیں اپنے اعمال کے برے نتائج خود بھگتیں گے۔ اس وقت تو یہی کہنا پڑتا ہے:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ (۳/۷۶)

ترجمہ: ہم نے اسے راہ دکھا دی، خواہ وہ شکر گزار بنے خواہ ناشکرا۔

اور

قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ط (١٨/٢٩)

ترجمہ: اے پیغمبر اسلام! کہہ دیجیے کہ حق تمھارے رب کی طرف سے (آ گیا) ہے تو جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا دل چاہے کفر کرے۔ ہم نے ظالموں کے لیے ایک ایسی آگ تیار کرادی ہے جس کی قناتیں انھیں گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔

بعینہٖ یہی حال قوموں کا بھی ہے جب تک کوئی قوم تہذیب وتمدن سے ناآشنا، علم وفن سے بے بہرہ، جہالت و بربریت میں گرفتار رہتی ہے انھیں وحشیانہ سزائیں دینی پڑتی ہیں، لیکن جب کوئی قوم متمدن و مہذب ہوجاتی ہے، علم وفن سے بہرہ یاب اور جہالت و بربریت کی دلدل سے نکل جاتی ہے تو انھیں بجائے وحشیانہ سزائیں دے کر راہ راست پر لانے کے ان کی عقل وشعور ہی سے اپیل کی جاتی ہے۔ قوم میں کچھ بدطینت و بدفطرت لوگ بھی ہوتے ہیں، ان کے لیے سزائیں بھی مقرر کرنی پڑتی ہیں مگر وہ قوم کے مجموعی مزاج کے پیش نظر وحشیانہ نہیں ہوا کرتیں۔

احکام نافذ کرنا، باقی رکھنا، انھیں منسوخ کرنا حکمت اور قوم کی مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء کرام کی اپنی ذاتی پسند اور ناپسند اور ان کی ذاتی مرضی اور خواہش پر مبنی نہیں ہوا کرتا۔ اس کا تعلق عموماً انسانیت کی مجموعی حالت سے ہوا کرتا ہے۔ جیسے طبیب اپنے نسخوں میں تبدیلیاں اپنی خواہش اور مرضی سے نہیں کرتا بلکہ مریض کی حالت اور مرض کی کیفیت کے مطابق ہی کیا کرتا ہے اس میں اس کی اپنی ذاتی پسند اور ناپسند کو قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا۔

موسیٰ علیہ السلام کو جس بنی اسرائیل سے سابقہ تھا، قرآن کریم اس کی داستانوں سے بھرا ہوا ہے۔ یقیناً وہ قوم ابھی عالم طفولیت میں تھی، بات بات پر بگڑتی تھی، بات بات پر ضدیں کرتی تھی، کبھی خدا کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے پر اصرار ہے کبھی اس پر اصرار ہے کہ خدا ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا۔ ایسی قوم کو راہِ راست پر لانے کے لیے وحشیانہ سزائیں ہی درکار تھیں۔

لیکن عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کی وہ حالت نہیں رہی تھی۔ عرصۂ دراز تک ان کی اپنی عظیم الشان سلطنت قائم رہی، علم وفن نے کافی ترقی کی، تہذیب وتمدن سے وہ آشنا ہوئے، پھر جہالت و گمراہی نے انھیں گھیرا تو اپنے وقت کی متمدن و مہذب حکومتوں، (یونانی اور رومی حکومتوں) کے زیر اثر پھر تہذیب وتمدن سے آشنا ہوئے لہٰذا اپنے عہد کے حالات کے ماتحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رجم کی سزا کو منسوخ فرما دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قوم میسر آئی تھی وہ بھی صدیوں سے وحشت و جہالت

میں گرفتار چلی آتی تھی اسے بھی علم وفن اور عقل وشعور سے آگاہی نہیں تھی، حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات وتعلیمات سے پیشتر کے عہد کا نام ہی عہد جاہلیت پڑ گیا ہے ان حالات میں اس قوم کی اصلاح کے لیے آپ کو پھر تورات کے احکام کی طرف دیکھنا پڑا اور آپ کو بھی شریعت موسوی کے ماتحت ایک عرصے تک رجم کی سزا کو اپنانا پڑا۔ لیکن آپ کی ہدایات و تعلیمات کے ماتحت جب قوم کا عقل وشعور بیدار ہوگیا۔ اس کی وحشت و جہالت داستان پارینہ بن گئی اور وحشیانہ سزا کی ضرورت نہیں رہی تو حق تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں ایک نئی سزا نازل فرمادی اور وہ سو کوڑے تھی۔ گزشتہ صفحات میں ہم بتا چکے ہیں کہ زنا کے متعلق جو آیات نازل ہوئی ان میں سے ایک آیت سے بھی رجم کا حکم نہیں نکلتا بلکہ رجم کی نفی ہی ثابت ہوتی ہے اس سلسلے کی چار آیتوں پر ہم بحث کر چکے ہیں۔

رجم قرآن میں

بعض بزرگوں نے دعویٰ فرمایا ہے کہ رجم کا حکم قرآن میں موجود ہے اور انھوں نے دلیل میں یہ آیت پیش فرمادی ہے کہ:

وَالّٰتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا۔ (٤/١٥)

ترجمہ: تمھاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کی مرتکب ہوں تو ان پر چار گواہ بنالو پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو انھیں گھروں میں بند کردو حتیٰ کہ انھیں موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی سبیل نکال دے۔

ان حضرات کا دعویٰ ہے کہ اس آیت میں فاحشہ سے مراد زنا ہے اور ابتداء میں زنا کی سزا یہی تھی اور حضرت عبادہؓ کی حدیث سے استدلال کر کے وہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ سبیل جس کا اللہ نے وعدہ فرمایا تھا یہی تھی کہ شادی شدہ جوڑے کو رجم کیا جائے اور غیر شادی شدہ جوڑے کو سو کوڑے مارے جائیں۔ لہٰذا رجم کا ثبوت قرآن سے ہوگیا۔ حالانکہ یہ حضرات، حضرت عبادۃ ابن الصامت کی حدیث کو خود بھی نہیں مانتے کیونکہ اس میں غیر شادی شدہ زانیوں کی سزا سو کوڑے مارنا اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دینا بتائی گئی ہے۔ اس حدیث پر ہم آئندہ صفحات میں تفصیل سے بحث کریں گے لیکن یہاں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آیت میں حق تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ایسی عورتوں کو گھروں میں بند کردو تا آنکہ انھیں موت آجائے یا اللہ ہی ان کے لیے کوئی سبیل

پیدا کردے۔ تو قرآن کریم میں رجم کا حکم تو کہیں اشارۃً بھی نہیں ہے بلکہ ہر آیت سے اس کی نفی ہی نکلتی ہے لہٰذا وہ سبیل سو کوڑے مارنے کیوں نہ ہو جس کا حق تعالیٰ نے صراحت سے ذکر فرما دیا ہے۔ آپ قرآن کو چھوڑ کر حضرت عبادۃ ابن الصامت کی پناہ لیتے ہیں اور پھر اس حدیث سے جان چھڑانے کی فکر بھی فرماتے ہیں۔ یہ کہاں کی دینداری ہے؟

ہم آگے بتائیں گے اس آیت کریمہ کا تعلق زنا سے ہے ہی نہیں بلکہ زنا سے کم کم دوسری تمام بے حیائیوں سے ہے اور یہ آیت جیسا کہ آپ فرماتے ہیں منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم ہے آج بھی اس پر عمل ہونا چاہیے اسے رجم پر محمول کر کے آیت کو منسوخ ٹھہرا دینا آپ ہی کو مبارک ہو۔ ہم کسی ایسی آیت کو منسوخ نہیں سمجھتے جو آج بھی قرآن کریم میں موجود ہے قرآن پورا کا پورا محکم ہے اس کی ایک آیت بھی منسوخ نہیں ہے۔

عجیب وغریب دعویٰ

ہمارے دور کے ایک عالم کو اصرار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کی سزا تورات کے اتباع میں نہیں دی تھی بلکہ خود آپ نے اپنی شریعت کے مطابق دی تھی چنانچہ وہ رقم طراز ہیں کہ:

''اس تفصیل سے مضمون نگار کا یہ دوسرا دعویٰ بھی اگرچہ کھوکھلا ہوجاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سزائے رجم دینا بموجب حکم تورات تھا اور یہ کہ سورۂ نور کے نزول کے بعد آپ نے رجم نہیں کیا۔

علاوہ ازیں دعویٰ مذکور کے بطلان پر سورۂ النساء کی وہ آیت بھی دلالت کناں ہے جس میں فاحشہ (بدکار) عورتوں کے لیے بطور سزا صرف گھروں میں بند رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔

فَاَمْسِكُوْ هُنَّ فِى الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْيَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا۔

ترجمہ: ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ ان کو موت آجائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی اور سبیل پیدا فرمائے یعنی کوئی حکم نیا نازل فرمائے۔

اگر آیت نور کے نزول سے پہلے آپ تورات کے حکم پر عمل کرتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ گھر میں بند رکھنے کا حکم کیوں دیتا؟ پھر تو یہ حکم ہونا چاہیے تھا کہ جب تک کوئی نیا حکم زانیوں کے لیے نازل نہ ہو اس وقت تک تورات کے حکم کے مطابق رجم کی سزا دی جاتی رہے اس سے معلوم ہوا کہ تورات کے اندر حکم رجم کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کے مطابق عمل کرنے کا حکم

نہیں دیا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ساتھ ہی پچھلی شریعت منسوخ ہوگئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رجم کا حکم دینا اس بات کا صریح اعلان تھا کہ اسلامی شریعت میں شادی شدہ زانی کی حد رجم ہے۔'' (حد رجم کی شرعی حیثیت صفحہ ۲۸ از حافظ صلاح الدین یوسف مدیر الاعتصام، لاہور۔ اہلحدیث حضرات کا ہفت روزہ ترجمان)

اس کے بعد موصوف نے امام خطابیؒ اور امام ابوبکر حصاص رازیؒ کے اقتباسات اپنی تائید میں پیش کیے ہیں۔ امام خطابی اور امام ابوبکر حصاص رازی رحمہما اللہ تعالیٰ کے پورے پورے احترام کے ساتھ یہ عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے زنا کے متعلق سورۂ نور کی آیت کے نازل ہونے سے پہلے سورۂ نساء میں یہ حکم نازل فرما رکھا تھا:

وَالّٰتِىْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْ هُنَّ فِى الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْيَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْ هُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (۴/۱۵-۱۶)

ترجمہ: اور تمھاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کی مرتکب ہوں تو ان پر اپنے میں سے چار گواہ بنالو۔ تو اگر وہ (چار گواہ) گواہی دے دیں تو انھیں گھروں میں بند رکھو حتیٰ کہ انھیں موت آجائے یا خدا ان کے لیے کوئی سبیل نکال دے۔ اور جو دو آدمی (مرد اور عورت) تم میں سے ایسا کریں تو انھیں ستاؤ، پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے درگزر کرو۔ یقیناً اللہ بڑا توجہ فرمانے والا رحم فرمانے والا ہے۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم الٰہی پر عمل نہیں فرماتے تھے☆ بلکہ زنا کاروں کو رجم کر دیا کرتے تھے۔ لہٰذا بقول امام شافعیؒ کے مجھے یہ عرض کرنے دیجیے کہ ''پھر تو طعنہ زنی کرنے والے کہیں گے کہ رسولؐ ہی نے سب سے پہلے اپنے اللہ کو جھٹلا دیا تو اس کی تبلیغ پر کیسے ایمان لایا جائے۔ (نورالانوار، باب النسخ صفحہ ۲۱۰، مطبوعہ سعید کمپنی، ادب منزل، کراچی) اور پھر ہم ان آیات کا کیا جواب دیں گے:

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِىَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ وَلَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا

☆ کیا محترم موصوف کسی ایک روایت سے بھی اس بات کا ثبوت دے سکتے ہیں کہ اپنی پوری تئیس سالہ زندگی میں ایک مرتبہ بھی کسی کو یہ سزا دی ہو؟

قَلِيْلًا ○ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَاتَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ○ (۱۷/۷۳-۷۵)

ترجمہ: اور بے شک وہ قریب تھے کہ بہکا دیں آپ کو اس حکم سے جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا تھا تاکہ آپ اس کے خلاف ہم پر افتراء کریں۔ ایسی صورت میں وہ آپ کو اپنا دوست بنا لیتے۔ اور اگر آپ کو ہم نے (حق پر) ثابت نہ رکھا ہوتا تو بالکل قریب تھا کہ آپ ان کی طرف جھک جاتے تھوڑا سا، اس وقت ہم ضرور چکھاتے آپ کو دوگنی سزا زندگی میں اور دوگنی سزا مرنے پر، پھر نہ پاتے آپ ہمارے سامنے اپنے لیے کوئی مددگار۔

ہم اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے سے کوئی حکم عطا فرمایا جائے اور آپ اس پر عمل نہ فرمائیں بلکہ اس کے خلاف دوسری قوموں کے رواج کے مطابق کسی حکم پر عمل فرمائیں۔ العیاذ باللہ اگر آپ کی اس تحقیق کو مان لیا جائے کہ سورۂ نسا میں زنا کی سزا بتائی گئی ہے تو یہ اس بات کی عظیم ترین دلیل ہے کہ رجم کی تمام روایات غلط اور من گھڑت ہیں کیونکہ قرآن کا حکم ہوتے ہوئے آپؐ کبھی بھی اس کے خلاف عمل نہیں فرما سکتے تھے، قرآن کا حکم قرآن کا حکم ہے روایات پھر روایات ہیں۔ دونوں کا مقابلہ ہی کیا ہے۔

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ رجم کا حکم بھی حکم الٰہی ہی تھا جو آپ کو ..... وحی خفی یا وحی غیر متلو کے ذریعے سے ملا تھا۔ لہٰذا آپ وحی کے خلاف اپنے منشاء کے مطابق کسی حکم پر عمل نہیں فرماتے تھے بلکہ خود وحی پر ہی عمل فرماتے تھے مگر یہ حضرات اتنا نہیں سوچتے کہ اس اللہ کے متعلق کیا تصور قائم ہوگا جو وحیٔ جلی کے ذریعے سے ایک حکم دیتا ہے اور پھر وحی خفی کے ذریعے سے اس کے خلاف حکم دیتا ہے وہ اللہ جس کا دعویٰ یہ ہو:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ (۴/۸۲)

ترجمہ: اگر یہ قرآن خدا کے سوا کسی دوسرے کے پاس سے ہوتا تو لوگ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔

وہ متضاد احکام کیسے دے سکتا ہے قرآن کریم کے من عنداللہ ہونے کی دلیل ہی یہ ہے کہ اس میں کہیں ذرا سا اختلاف نہیں ہے لیکن برا ہو ہمارے شوق نسخ وتبدیل کا کہ ہم نے اپنی تفسیروں سے قرآن کی بے شمار آیات کو ایک دوسرے کا مخالف بنا چھوڑا ہے تاکہ ایک آیت کو دوسری آیت سے منسوخ کرسکیں اور اس طرح ہم نے تقریباً آدھے قرآن کو منسوخ کر رکھا ہے۔ (ناسخ ومنسوخ سے متعلق کتابوں میں کئی سو منسوخ آیات کی نشاندہی کی گئی ہے۔) حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر اصرار ہے کہ:

قُلْ اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَايُوحىٰ اِلَيَّ مِنْ رَبِّيْ۔ (۷/۱۰۳)

ترجمہ: اے پیغمبر! کہہ دیجیے کہ میں اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے۔

اور

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَايُوْحىٰ اِلَيَّ۔ (۱۰/۱۵)

ترجمہ: میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

اور

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَايُوْحىٰ اِلَيَّ وَمَا اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۔ (۹/۴۶)

ترجمہ: میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں صرف کھلا ڈرانے والا ہوں۔

اور

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَايُوْحىٰ اِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ۔ (۶/۵۱)

ترجمہ: میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ (اے پیغمبر!) کہہ دیجیے کہ کیا بینا اور نابینا برابر ہوتے ہیں؟

آپؐ کو حق تعالیٰ کا حکم بھی یہی تھا۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ۔ (۴۳/۴۳)

ترجمہ: اے پیغمبر! جو کچھ آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اسے مضبوطی سے تھام لیجیے۔

اور

اِتَّبِعْ مَايُوْحىٰ اِلَيْكَ وَاصْبِرْ۔ (۱۰/۱۰۹)

ترجمہ: اے پیغمبر! جو کچھ آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اسی کا اتباع کیجیے اور ثابت قدم رہیے۔

لیکن ہمارے علمائے کرام کو اس پر اصرار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے خلاف عمل فرماتے تھے اور اپنے حسب منشاء قرآنی آیات کو معاذاللہ منسوخ فرما دیا کرتے تھے۔ حق تعالیٰ اپنی کتاب مبین میں زناکاروں کے لیے یہ سزا نازل کرتا تھا کہ انھیں گھروں میں بند رکھو، انھیں ایذاء دو، انھیں ستاؤ، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے برخلاف شریعت اسلامی کے نام پر

زنا کاروں کو رجم فرمایا کرتے تھے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

دراصل آیت (۱۵/۴) میں الفاحشة کا لفظ آیا ہے جسے ہمارے علمائے کرام نے زبردستی زنا پر محمول کرلیا ہے۔ فَاحِشَةٌ کے معنے صرف زنا کے نہیں ہوتے ہر بے حیائی کی بات اور ہر گناہ کو ''فاحشہ'' کہتے ہیں۔ چنانچہ:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْظَلَمُوا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ۔ (۱۳۵/۳)

ترجمہ: وہ لوگ کہ جب ان سے کوئی گناہ ہوجاتا ہے یا وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کر لیتے ہیں اور اپنے گناہوں سے استغفار کرتے ہیں۔

میں فَاحِشَةٌ کے معنے زنا کے نہیں ہیں بلکہ محض گناہ کے ہیں جس کی تفسیر آگے خود ذُنُوْبِهِمْ کے لفظ سے آگئی ہے۔ اسی طرح آیت (۱۰/۴) میں بھی عام بے حیائی کی باتیں مراد ہیں۔ (۲۲/۴) میں ایام جاہلیت میں جو لوگ باپ کی منکوحہ عورتوں کو گھروں میں ڈال لیتے تھے اسے بھی فاحشہ کہا گیا ہے اور آیت (۲۸/۷) میں ہر اس برے کام کے لیے فَاحِشَةٌ کا لفظ آیا ہے جسے لوگ اپنے آباؤاجداد کی سنت اور حکم الٰہی سمجھتے تھے اور آیت (۸۰/۷) میں فَاحِشَةٌ کا لفظ قوم لوط کے سلسلے میں لواطت کے لیے آیا ہے۔ آیت (۱۹/۲۴) میں ہر بے حیائی اور بے غیرتی کے لیے یہی لفظ استعمال ہوا ہے پھر (۵۴/۲۷) میں دوبارہ لواطت ہی کے لیے یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔ نیز (۲۹/۲۸) میں بھی اور (۳۰/۳۳) میں پھر بے حیائی اور نامناسب کاموں کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ نیز (۱/۶۵) میں بھی ہر بے شرمی کی بات کے لیے یہی لفظ آیا ہے۔ صرف ایک آیت (۳۲/۱۷) میں فَاحِشَةٌ کا لفظ زنا کے لیے آیا ہے۔

لہٰذا قرآن کریم میں جہاں جہاں فَاحِشَةٌ کا لفظ آیا ہے وہاں اس کے معنے زنا کے ہی نہیں ہیں۔ سورۂ انعام میں ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ (۱۵۲/۶)

ترجمہ: تم فواحش کے قریب نہ پھٹکو، ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔

لہٰذا فواحش میں (جمع کے صیغے کے ساتھ) ہر قسم کی حدود شکنی اور بے حیائی آجاتی ہے اسی بنیاد پر سورۂ نساء میں جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِنْكُمْ۔ (۱۵/۴)

ترجمہ: اور تمھاری عورتوں میں سے جو فاحشہ کی مرتکب ہوں تو ان کے خلاف

اپنوں میں سے چار گواہ لاؤ۔

تو اس فاحشہ سے مراد زنا نہیں ہے اس لیے کہ اوّل تو زنا کے لیے چار شاہدوں کا ملنا ناممکن نہیں ہے تو بیحد دشوار ہے، دوسرے یہ کہ چار گواہ ان عورتوں ہی کے خلاف کیوں لائے جائیں اور ان مردوں کو کیوں نظر انداز کر دیا جائے جو اس جرم میں عورتوں کے ساتھ شریک غالب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر قرآن کریم نے زنا کی سزا سو دُرّے رکھی ہے (۲/۲۴) لیکن ..... فاحشة کے معنے اس مقام پر زنا کے کر لینے کی وجہ سے ہمارے علماء مجبور ہو رہے ہیں کہ اس آیت کو سورۂ نور کی آیت سے منسوخ مانیں۔ قرآن کریم کا کوئی حکم جو قرآن کریم میں موجود ہے منسوخ نہیں ہے۔ اس لیے سورۂ نساء کی محولہ بالا آیت میں فَاحِشَةٌ سے مراد زنا سے کمتر دوسری تمام بے حیائی کی باتیں ہیں جنھیں مقدمات زنا کہا جاتا ہے کہ انھیں اگر نہ روکا جائے تو وہ بالآخر زنا پر منتج ہوجایا کرتی ہیں۔ قوم لوط کے متعلق ہم بتا چکے ہیں کہ عمل لواطت کے لیے قرآن کریم نے فَاحِشَةٌ کا لفظ ہی استعمال کیا ہے (۸۰/۷-۸۱) وہاں یہ لفظ زنا کے لیے نہیں آیا اور جس طرح دو مردوں کا اختلاط (ہم جنسی) فاحشہ ہے اسی طرح عورتوں کا باہمی اختلاط (سحاقت) بھی فاحشہ ہے۔

لفظ فواحش (بطور جمع) خود اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ فاحشہ صرف ایک زنا ہی نہیں ہے بلکہ اور بھی بہت سے بے حیائی کے کام ہیں جو فَاحِشَہ کہلاتے ہیں۔ جب ہی تو اس کی جمع فواحش مستعمل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ (پیشہ ور عورتوں سے قطع نظر) فعل زنا کا ارتکاب یک لخت (فوری طور پر) ظہور میں نہیں آجاتا اس کے لیے (غیر) مرد اور عورت باہمی میل جول کے تعلقات قائم کرتے ہیں۔ پھر ذرا بات آگے بڑھتی ہے تو چھیڑ چھاڑ، بوس و کنار اور ہم آغوشی وغیرہ کی نوبت آجاتی ہے اس طرح رفتہ رفتہ جنسی اختلاط (زنا) تک بات پہنچ جاتی ہے۔ قرآن کریم ان مبادیات کو بھی روکنا چاہتا ہے تاکہ بات آگے بڑھنے نہ پائے یہ وہ فواحش ہیں جن کا ذکر آیت (۱۵/۴) میں آیا ہے اور جب ان مبادی سے گزر کر بات زنا تک جا پہنچے تو اس کا حکم سورۂ نور کی آیت (۲/۲۴) میں آگیا ہے۔ نہ کوئی آیت ناسخ ہے نہ منسوخ۔

بہرحال سورۂ نسا کی آیت (۱۵/۴) مبادیاتِ زنا سے متعلق ہے زنا سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے ابتداء میں جب تک قرآن کریم میں ''زنا'' کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا آپ تورات کے حکم کے مطابق زنا کاروں کو سیاسۃً اور تعزیراً رجم فرما دیا کرتے تھے کیونکہ جب تک کسی مسئلے کے متعلق قرآن کریم میں کوئی حکم نازل نہ ہو پچھلی شریعتوں کے احکام کی پیروی کرنا اور انبیاء سابقین علیہم السلام کی ہدایات کا اتباع کرنا بھی خود قرآن کریم ہی کا حکم تھا۔ یہ

دعویٰ قطعاً غلط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ساتھ ہی تمام پچھلی شریعتوں کے تمام احکام منسوخ ہوگئے۔ اسلامی شریعت میں آج بھی پچھلی شریعتوں کی بے شمار باتیں موجود ہیں۔

سورۂ النور کی آیت کے بعد

اس کے بعد سورۂ النور کی آیت (۲/۲۴) جس کا حوالہ گزر چکا ہے نازل ہوگئی تو وہ عمل جو اب تک تورات کے حکم کے مطابق ہوتا چلا آرہا تھا منسوخ ہوگیا۔ قرآن کریم میں کسی بات کا حکم نازل ہونے کے بعد تورات کے حکم پر بطور اصلی قانون کے عمل کرنے کا نہ کوئی جواز ہوسکتا ہے اور نہ اس کا کوئی امکان ہے قرآن کریم نے اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو ہر زنا کار پر صادق ہیں ان میں مرد یا عورت، شادی شدہ یا غیر شادی شدہ، جوان بوڑھے یا ادھیڑ کی کوئی تفریق نہیں ہے (سوائے شادی شدہ لونڈی کے استثناء کے (۴/۲۵) ساتھ ہی اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ پر الف و لام لگا ہوا ہے جو استغراق کا ہو یا جنس کا تمام زنا کاروں کا احاطہ کر لیتا ہے جس سے بھی زنا کا صدور ہو اسے یہی سزا دی جائے گی (سوائے اس کے جس کا استثناء خود قرآن مجید نے کر دیا ہو)۔ صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے:

حدثنی اسحٰق قال حدثنا خالدعن الشیبانی قال سالت عبدالله ابن ابی اوفیؓ هل رجم رسول الله صلی الله علیه وسلم قال نعم قلت قبل سورة النور اوبعد هاقال لاادری. (بخاری، جلد ۲، صفحه ۱۰۰۶، کتاب المحاربین من اهل الکفروالردة)

امام بخاری فرماتے ہیں یہ سند اسحاق، خالد شیبانی، کہ شیبانی نے کہا میں نے عبداللہ ابن ابی اوفیؓ سے پوچھا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو سنگسار فرمایا تھا، انھوں نے فرمایا ''ہاں'' میں نے پوچھا کہ ''سورۂ النور کے نازل ہونے سے پہلے یا نازل ہونے کے بعد؟'' آپ نے فرمایا ''یہ بات مجھے معلوم نہیں۔''

واضح رہے کہ حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیؓ صلح حدیبیہ سے قبل ۶ ہجری میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ انھی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا اور بشارت نقل کی گئی ہے کہ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى اٰلِ اَبِيْ اَوْفٰى (ابواوفی کی اولاد (یعنی خود حضرت عبداللہ) پر اللہ اپنی رحمتیں نازل فرمائے) ان کا علمی پایہ ان کے معاصرین میں مسلم تھا۔ مختلف فیہ مسائل میں لوگ تحقیق کے لیے

ان سے رجوع کیا کرتے تھے (سیر الصحابہ شاہ معین الدین ندوی) ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیؓ جیسے پایہ کا صحابی یہ بتانے سے قاصر ہے کہ سورۂ النور کے نازل ہونے کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو سنگسار فرمایا تھا یا نہیں، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ سورۂ النور کا حکم نازل ہونے کے بعد کسی کا سنگسار ہوجانا قطعاً مشکوک ہے ورنہ حضرات صحابہ کو ضرور معلوم ہوتا۔ ظاہر ہے کہ آپؐ نے سورۂ النور کے بعد کسی کو سنگسار نہیں فرمایا ہوگا کیونکہ بطور حد سنگسار فرمانا قرآن کریم کے خلاف ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کو یہ اعتراف فرمانا پڑا کہ:

قلت والذی تبین لی ان اصل الحد فیه ما ذکره القراٰن وهوالجلد. اماالرجم فحد ثانوی. وانمالم یأخذه القراٰن فی النظم اخما لاالذکره لیندری من الناس ما اندارا فکان الجلد حدامقصود دا لاینفك عنه بحال. واماالرجم فهذاوان کان حدا لکن المقصود درؤه متی ما امکن فلواخذه فی النظم لحصل تنویه امره وتشهیر ذکره والمقصود اخماله. (فیض الباری، جلد۴، صفحہ ۴۴۸)

میں کہتا ہوں کہ جو بات مجھ پر واضح ہوئی وہ یہ ہے کہ اصل حد تو زنا میں وہی ہے جس کا ذکر قرآن نے فرمایا ہے اور وہ کوڑوں ہی کی سزا ہے۔ رہ گیا رجم تو وہ ثانوی سزا ہے۔ اسے قرآن کریم نے اپنے نظم میں شامل نہیں فرمایا کیونکہ وہ اس کے ذکر کو اہمیت دینا نہیں چاہتا تاکہ لوگوں سے یہ سزا جس قدر بھی ساقط ہوسکے ساقط ہوجائے لہٰذا کوڑے مارنا ہی ایسی حد ہے جو مقصود ہے اور وہ کسی حال میں بھی زنا کار سے ساقط نہیں ہونی چاہیے۔ رہ گیا سنگسار کرنا تو اگرچہ وہ بھی ایک مقررہ سزا ہے لیکن جہاں تک ممکن ہوسکے اسے ساقط کر دینا چاہیے اگر قرآن کریم نے اسے اپنی عبارت میں جگہ دے دی ہوتی تو اس کی اہمیت ہوجاتی اور اس کی تشہیر بھی ہوجاتی۔ حالانکہ قرآن کریم کا مقصد ہی یہ ہے کہ رجم کی اہمیت وشہرت کو کم کیا جائے۔

اس کے حاشیہ پر علامہ انور شاہؒ کے شاگرد مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی تحریر فرماتے ہیں کہ جو کچھ حافظ ابن حجر نے ماعز اسلمی کے رجم کے بارے میں بعض علماء سے نقل فرمایا ہے کہ دونوں حدوں کو (کوڑے مارنے اور رجم کو) جمع کیوں نہیں کیا گیا۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ماعزؓ کے قصے میں اور ان لوگوں کے قصے میں جن کا ذکر ان کے ساتھ آیا ہے رجم

کے ساتھ کوڑوں کی سزا کے ساقط ہوجانے کی تصریح نہیں آئی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ بات واضح ہونے کی وجہ سے اس کی تصریح کو چھوڑ دیا گیا ہو۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ اصل سزا تو کوڑے مارنا ہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راویان حدیث کے نزدیک بھی اصل سزا کوڑے مارنا ہی ہے جیسا کہ نص قرآنی میں وارد ہوچکا ہے۔ لہٰذا اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے (البدر الساری الی فیض الباری، صفحہ مذکورہ)۔

نیز علمائے اہل حدیث کے سرخیل مولانا وحید الزماں صاحب نے بھی مؤطاء کے ترجمہ (شائع کردہ نور محمد کارخانہ تجارت، آرام باغ، کراچی) میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ رجم کی تمام روایات سورۂ النور کے نازل ہونے سے پہلے کی ہیں (صفحہ ۲۱۲)۔ یعنی ان کے نزدیک بھی یہی بات ثابت ہے کہ سورۂ النور کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو رجم نہیں فرمایا۔

اس ضمن میں حافظ ابن حجر اور علامہ عینی (شارحان بخاری) کا یہ دعویٰ محل نظر ہے کہ سورۂ النور واقعۂ افک کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی اور واقعۂ افک ۴، ۵، ۶ ہجری میں ہوا تھا اور یہ بات ثابت ہے کہ اس کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کے مجرموں کو رجم فرمایا ہے کیونکہ رجم کے ایک واقعے میں حضرت ابوہریرہؓ کی شرکت ثابت ہے اور حضرت ابوہریرہؓ ۷ ہجری میں اسلام لائے تھے۔ لہٰذا ۷ ہجری کے بعد بھی رجم کرنا ثابت ہوتا ہے لیکن یہ دعویٰ قابل قبول نہیں ہے کیونکہ ۴، ۵، ۶ ہجری میں سورۂ نور کا نازل ہونا اس مفروضے پر مبنی ہے کہ افک کا افسانہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف غزوۂ بنو المصطلق میں تراشا گیا تھا اور افک کی آیت سورۂ النور ہی میں آئی ہے۔ ہم آگے چل کر حد قذف کے بیان میں تفصیل سے بتائیں گے کہ یہ افسانہ قطعاً قابل قبول نہیں ہے۔ غزوۂ بنو المصطلق میں ایسی کوئی بات پیش ہی نہیں آئی تھی۔ لہٰذا واقعۂ افک ان سنین میں پیش آیا اور نہ سورۂ النور کی آیات اس سنہ میں نازل ہوئیں۔

نیز اگر واقعۂ افک پیش بھی آیا ہو اور غزوۂ بنو مصطلق ہی میں پیش آیا ہو تو زنا سے متعلق آیت (۲/۲۴) تو افک سے متعلق نہیں ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ کسی سورت کی تمام آیات ایک ساتھ ہی نازل ہوگئی ہوں؟ قرآن کریم کی سورتوں کی تمام آیات ایک ساتھ ہی نازل نہیں ہوئیں۔ ہمیں تو اکثر مکی سورتوں میں مدنی آیتیں اور مدنی سورتوں میں مکی آیتیں مل جاتی ہیں۔ قرین قیاس بھی یہی ہے کہ حد زنا سے متعلق آیات ۷ ہجری کے بعد بہت آخر میں نازل ہوئی ہوں۔ (جیسا کہ ہم مفصلاً اس پر بحث کریں گے) کیونکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ کو رجم کی منسوخی کا علم نہیں تھا ان حضرات کو غلط فہمی یا اجتہادی غلطی اسی وقت

ہوسکتی تھی جبکہ یہ حکم بہت بعد میں نازل ہوا ہو اور ایسا کوئی واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پیش نہ آسکا ہو جس سے تورات کے حکم کا منسوخ ہونا بالکل واضح ہوجاتا۔

سورۃ النور کا نزول

حیرت ہے کہ علامہ عینی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہ کیسے فرمادیا کہ سورۂ النور کا نزول ۴، ۵، ۶ ہجری کا ہے کیونکہ سورۂ النور میں واقعۂ افک بیان ہوا ہے اور واقعۂ افک غزوۂ بنی مصطلق میں پیش آیا تھا جو ۴، ۵، ۶ ہجری کا واقعہ ہے اور رجم کے ایک واقعے میں حضرت ابوہریرہؓ کی شرکت ثابت ہے جو ۷ ہجری میں اسلام لائے تھے (ان کے اس ارشاد پر ہمارے عہد کے علمائے کرام کو بھی شدید اصرار ہے) واقعہ یہ ہے کہ سورۂ النور ۴ ہجری کی شروع میں نازل ہوئی تھی نہ کہ ۴، ۵، ۶ ہجری میں، ہمارے علمائے تفسیر نے مکی اور مدنی سورتوں کی جو ترتیب نزول، تحریر فرمائی ہے (جس میں مجھے کوئی اختلاف نظر نہیں آیا۔ لہٰذا اس ترتیب کو متفقہ سمجھنا چاہیے) وہ تفصیل کے ساتھ ہماری کتب تفاسیر میں مذکور ہے۔ مکہ مکرمہ میں آپؐ پر قرآن کریم کی جو سورتیں نازل ہوئی، اُن کی کل تعداد ۸۳ ہے اور ترتیب وار ہمارے مفسرین نے ان کو بیان فرما دیا ہے یہاں چونکہ مکی سورتوں سے کوئی بحث ہی نہیں ہے اس لیے میں اسے نظرانداز کرتا ہوں، مدینہ منورہ میں آپؐ پر اکتیس (۳۱) سورتیں نازل ہوئی اور غالب گمان یہی ہے کہ ان کی نزول کی ترتیب میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ اس کے خلاف مجھے کوئی قول نہیں ملا۔ لہٰذا یہ ترتیب بھی متفقہ ہی سمجھنی چاہیے۔ پہلے (۱) سورۂ بقرہ نازل ہوئی پھر (۲) انفال (۳) آل عمران (۴) الاحزاب (۵) الممتحنہ (۶) النساء (۷) اذا زلزلت الارض (۸) الحدید (۹) محمد (۱۰) الرعد (۱۱) الرحمٰن (۱۲) الدھر (۱۳) طلاق (۱۴) لم یکن (۱۵) الحشر (۱۶) الصف (۱۷) الناس (۱۸) اذا جاء نصر اللہ (۱۹) النور (۲۰) الحج (۲۱) المنافقون (۲۲) المجادلہ (۲۳) الحجرات (۲۴) التحریم (۲۵) الصف (۲۶) الجمعہ (۲۷) التغابن (۲۸) الفتح (۲۹) التوبہ (۳۰) المائدۃ۔

(ماخوذ از نظرات فی القرآن للشیخ محمد الغزالی، طبع دوم، مصر صفحہ ۲۵۸-۲۵۹)

علامہ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب الاتقان میں بیہقی کی دلائل النبوۃ کے حوالے سے حضرت عکرمہؒ کی تحقیق اور ابن الضریس کی کتاب فضائل القرآن کے حوالے سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی یہی تحقیق نقل کی ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن (اردو ترجمہ) مطبوعہ نور محمد، آرام باغ، کراچی۔ جلد ۱، صفحہ ۱۹-۲۰)

سورۂ فاتحہ کے متعلق علمائے مفسرین کا خیال ہے کہ اس کا نزول کئی مرتبہ ہوا ہے میں

بھی اور مدینے منورہ میں بھی۔ اس طرح قرآن کریم کی کل ۱۱۴ سورتیں ہوگئیں۔ ۸۳ مکہ معظمہ میں ۳۰ مدینہ منورہ میں ایک مشترک۔

بہرحال اس تفصیل سے دو باتیں معلوم ہوئی۔ ایک تو یہ کہ مدنی سورتوں کے نزول کے اعتبار سے سورۂ النور کا نمبر ۱۹ ہے اور وہ اذا جاء نصر اللہ نمبر ۱۸ کے بعد سورۂ الحج نمبر ۲۰ سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اور اس پر پوری امت کا اتفاق ہے کہ حج ۹ ہجری میں فرض ہوا ہے اور فتح مکہ ۸ ہجری میں ہوئی ہے۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح کا نزول بھی متفقہ طور پر فتح مکہ کے بعد ہی ہوا ہے کیونکہ اس میں فتح مکہ اور اہل عرب کے اسلام میں فوج در فوج داخل ہونے کو بیان کیا گیا ہے جو ۸ ہجری اور اس کے بعد ہی ہوا ہے بلکہ بخاری کی ایک روایت سے تو اس پر روشنی پڑتی ہے کہ سورۂ اذا جاء نصر اللہ کا نزول ۹ ہجری ہی کا ہے۔ بخاری کی یہ روایت یوں ہے :

حدثنا موسی ابن اسمعیل قال حدثنا ابوعوانة عن ابی بشرعن سعید ابن جبیر عن ابن عباس قال کان عمرؓ یدخلنی مع اشیاخ بدرفکان بعضهم وجد فی نفسه قال لم تد خل هذا معنا ولنا ابناء مثله قال انه من علمتم فدعاه ذات یوم فادخله معهم فما رأیت انه دعانی یومئذ الالیر یهم قال ماتقولون فی قول الله تعالی اذا جاء نصر الله والفتح فقال بعضهم امرنا ان نحمد الله ونستغفره اذا نصرنا وفتح علینا وسکت بعضهم فلم یقل شیئا فقال لی اکذلك تقول یا ابن عباس فقلت لاقال فما تقول قلت هواجل رسول الله صلی الله علیه وسلم اعلم له قال اذاجاء نصرالله والفتح فذلك علامة اجلك فسبح بحمد ربك و استغفره انه کان توابا فقال عمر ما اعلم منها الاماتقول۔ (صحیح بخاری جلد۲، صفحہ ۷۴۳، تفسیر سورۂ اذا جاء نصر اللہ مطبوعہ مجتبائی، دہلی)

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ مجھے شیوخ بدر کے ساتھ مجلس شوریٰ میں شریک کیا کرتے تھے تو کچھ حضرات کو ناگوار ہوا اور انھوں نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ اسے آپ ہمارے ساتھ کیوں بلا لیتے ہیں، اس جیسے ہمارے بھی تو بیٹے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ابن عباسؓ تو وہی کچھ ہیں جسے تم جانتے ہو۔ چنانچہ ایک دن حضرت عمرؓ نے ابن عباس کو بلایا اور ان بزرگوں کے ساتھ انھیں بھی بٹھایا اور میرا خیال یہی ہے کہ اس دن حضرت عمرؓ نے مجھے اسی لیے بلایا تھا

کہ انھیں دکھائیں۔ چنانچہ آپ نے سب سے پوچھا کہ ''حق تعالیٰ کے قول اذا جاء نصر اللہ والفتح کے متعلق آپ حضرات کیا کہتے ہیں؟'' تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ''ہمیں حق تعالیٰ نے جب ہمیں فتح و نصرت حاصل ہو تو اللہ کی حمد کرنے اور استغفار کرنے کا حکم دیا ہے۔'' کچھ حضرات بالکل خاموش رہے انھوں نے کچھ نہیں فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے مجھ سے کہا کہ ''ابن عباس! تم بھی یہی کہتے ہو؟'' میں نے کہا ''نہیں'' انھوں نے کہا کہ ''تو تم کیا کہتے ہو؟'' میں نے کہا ''یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی اطلاع ہے جو اللہ نے آپ کو بتا دی ہے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب اللہ کی مدد اور فتح حاصل ہوجائے تو یہ آپ کی وفات کی علامت ہے لہٰذا آپ اللہ کی حمد اور تسبیح فرمایئے، اللہ سے استغفار کیجیے۔ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا ''مجھے بھی وہی کچھ معلوم ہے جو تم کہہ رہے ہو۔''

واضح رہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ بیان شیوخ بدر کے سامنے ہے جو حضرت عمرؓ کی مجلس شوریٰ کے رکن اور اکابر صحابہ تھے اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات کی اطلاع آپ کی وفات سے کچھ ہی پہلے دی گئی ہوگی۔ جس کا امکان یقینی طور پر سورۂ حج کے نزول سے ذرا پہلے ہی ہوسکتا ہے۔ اور سورۂ النور تو اذا جاء نصر اللہ کے بھی بعد نازل ہوئی ہے لہٰذا اس کا نزول ۹ ہجری میں ہی ہوسکتا ہے خواہ مخواہ ۶،۵، ۷ ہجری میں اس کا نزول قرار دینا زبردستی ہے۔

اب ہم پھر تورات کے اس حکم کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کا آپؐ کافی عرصے تک اتباع فرماتے رہے تھے لیکن سورۂ نور کے بعد وہ ختم ہوگیا۔

اس بات کی قطعی دلیل کہ تورات کا وہ حکم منسوخ ہوچکا تھا، قرآن کریم کی وہ نص صریح ہے جو کنیزوں کے سلسلے میں سورۃ النساء میں وارد ہوئی ہے کہ اگر شادی شدہ باندیاں بے حیائی (زنا) کی مرتکب ہوں تو انھیں آزاد شادی شدہ عورتوں کی سزا سے آدھی سزا دی جائے گی۔ چنانچہ ارشاد ہے :

فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ۔ (۴/۲۵)

ترجمہ : تو جب وہ (کنیزیں) شادی شدہ ہوں تو اگر وہ بے حیائی کی مرتکب ہوں تو انھیں عام شادی شدہ (آزاد) عورتوں سے آدھی سزا دی جائے گی۔

اس آیت کریمہ کو سمجھنے کے لیے اَلْمُحْصَنٰتِ کا لفظ قابل غور ہے۔ یہ لفظ حِصْنٌ سے ماخوذ ہے اس مادہ کے سلسلے میں امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ:

''اَلْحِصْنُ کی جمع حُصُوْنٌ ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مَانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِنَ اللّٰهِ اور حق تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے لَايُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُحَصَّنَةٍ یعنی ایسے شہر جو قلعوں کی طرح مضبوط بنائے گئے ہوں۔ نیز تَحَصَّن جب آدمی نے قلعہ کو اپنا مسکن بنا لیا ہو پھر مجازاً ہر اس چیز کو کہنے لگے جو حفاظت کرتی ہو۔ چنانچہ دِرْعٌ حَصِيْنَةٌ کہتے ہیں کیونکہ زرہ بکتر بدن کی حفاظت کرتی ہے فَرَسٌ حِصَانٌ کہتے ہیں کیونکہ جنگ میں گھوڑا اپنے سوار کی حفاظت کرتا ہے اسی بناء پر شاعر کہتا ہے:

اِنَّ الْحُصُوْنَ الْخَيْلُ لَامُدُنُ الْقُرٰى

(قلعے تو گھوڑے ہوتے ہیں۔ آبادیوں کے شہر نہیں)

چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اِلَّا قَلِيْلًا مِمَّا تُحْصِنُوْنَ یعنی تم محفوظ مقامات میں جمع کر لیتے ہو جو قلعوں کے قائم مقام ہوتے ہیں اِمْرَأَةٌ حِصَانٌ وَحَاصِنٌ حَصَانٌ کی جمع حُصُنٌ ہے اور حَاصِنٌ کی جمع حَوَاصِنُ ہے۔ حَصَانٌ پاک دامن عورت کو کہتے ہیں اور معزز خاتون کو بھی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے فَاِذَا اُحْصِنَّ یعنی وہ جب شادی کرلیں اور اُحْصِنَّ اور جب ان کی شادی کرادی جائے اور اَلْحَصَانُ فی الجملہ محفوظ کی ہوئی عورت کو کہتے ہیں۔ پاک دامنی کی وجہ سے یا شادی کر لینے کی وجہ سے یا شرف اور حریت کے مانع کی وجہ سے اِمْرَأَةٌ مُحْصَنٌ اور مُحْصِنٌ کہا جاتا ہے مُحْصِنٌ (صاد کے زیر سے) تو اس وقت کہا جاتا ہے جب اس کی حفاظت کا تصور خود اس کی ذات سے ہو (یعنی پاکدامنی) اور مُحْصَنٌ (صاد کے زبر سے) اس وقت کہا جاتا ہے جب اس کی حفاظت کا تصور اس کے غیر سے ہو اسی دوسرے معنیٰ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ اور اسی طرح اس کے بعد ہے فَاِذَا اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَاعَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ اور اسی

واسطے کہا گیا ہے کہ اَلْمُحْصَنٰتِ سے مراد شادی شدہ عورتیں ہیں، کیونکہ ان کے شوہر ہی ہوتے ہیں جو انھیں محفوظ کر دیتے ہیں اور اَلْمُحْصَنٰتُ، حُرِّمَتْ کے بعد فتحہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ فتحہ کے علاوہ نہیں۔ باقی تمام موقعوں پر فتحہ اور کسرہ کے ساتھ صحیح ہے کیونکہ جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے وہ شادی شدہ ہی ہوتی ہیں، پاک دامن عورتیں نہیں ہوتیں اور باقی مقامات پر دونوں معنوں کا احتمال ہوتا ہے۔'' (المفردات فی غریب القرآن للامام راغب الاصفہانی، صفحہ ۱۲۰، مطبعۃ المیمنیہ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

امام راغب کی ان تصریحات سے جو باتیں سامنے آئیں وہ یہ ہیں:

(۱) اَلْمُحْصَنٰتُ، حِصْنٌ سے ماخوذ ہے جو محفوظ مقام (قلعہ) کے معنے میں آتا ہے چنانچہ اس مادہ کے مختلف، استعمال بیان کر کے امام راغبؒ نے بتایا ہے کہ اس مادہ سے مشتق ہر لفظ میں یہ بنیادی معنے موجود ہیں۔

(۲) عورت کو حَصَانٌ اور مُحْصِنٌ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ محفوظ و مصون ہوتی ہے (الف) اپنی ذاتی پاک دامنی اور عفت کی وجہ سے (ب) شادی کر لینے کی وجہ سے (ج) اپنے ذاتی شرف وعزت اور آزادی کی وجہ سے۔

(۳) جب عورت کے محفوظ و مصون ہونے کا سبب خود اس کی ذات ہو تو اسے مُحْصِنٌ اور مُحْصِنَةٌ (صاد کے کسرہ یعنی زیر کے ساتھ) کہتے ہیں یعنی خود حفاظت کرنے والی اور جب اس کی حفاظت و صیانت کا سبب کوئی غیر یعنی شوہر وغیرہ ہو تو اسے مُحْصَنٌ اور مُحْصَنَةٌ کہتے ہیں یعنی محفوظ کی ہوئی۔

(۴) آخر میں خود اسی آیت فَاِذَا اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَاعَلَى الْمُحْصَنٰتِ کا حوالہ دے کر علامہ امام راغبؒ نے بتایا ہے کہ یہاں مُحْصَنٰتُ (صاد کے زبر سے) اَلْمُتَزَوِّجَات (شادی کر لینے والیاں) مراد ہیں۔ یعنی اس تصور کے ماتحت کہ ان کے شوہر ہی انھیں حفاظت مہیا کرتے ہیں۔

امام راغبؒ کی اس تصریح کو کہ ''محولہ بالا آیت میں مُحْصَنٰتُ کے معنے شادی کر لینے والی عورتیں ہیں'' تھوڑی دیر کے لیے اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے تو یہ اصول اپنی جگہ اٹل ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ مُحْصِنٌ اور مُحْصِنَةٌ صاد کے کسرہ (زیر) کے ساتھ ان عورتوں پر بولا جاتا ہے جن کی حفاظت و صیانت کا سبب خود ان کی اپنی ذات یعنی ان کی پاک دامنی، ان

کی شرافت و وجاہت اور آزادی وغیرہ ہو اور مُحْصَنٌ اور مُحْصَنَةٌ صاد کے فتحہ (زبر) کے ساتھ ان عورتوں کو کہا جاتا ہے جن کی صیانت و حفاظت کسی غیر یعنی شوہر کی مرہون منت ہو، کیونکہ مُحْصِنٌ اور مُحْصِنَةٌ اسم فاعل کا صیغہ ہے یعنی خود حفاظت کرنے والی اور مُحْصَنٌ اور مُحْصَنَةٌ اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی حفاظت کی ہوئی۔ یہاں حفاظت کرنے والا کوئی دوسرا یعنی شوہر وغیرہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ محولہ بالا آیت میں مَاعَلیٰ الْمُحْصَنٰتِ میں مُحْصَنٰتٌ اسم مفعول ہی کا صیغہ ہے لہٰذا اس کے معنے شادی شدہ آزاد عورتوں ہی کے ہوں گے۔

رہ گئی یہ بات کہ اس آیت کے شروع میں وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (۴/۲۵) (ترجمہ: اور جو تم میں مومن آزاد عورتوں سے شادی کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی مومن کنیزوں میں سے جو تمھاری ملک یمین میں سے ہوں نکاح کرلو۔) میں مُحْصَنٰتٌ صاد کے فتحہ یعنی زبر کے ساتھ ہے اور اس کے معنے شادی شدہ آزاد عورتوں کے نہیں ہیں بلکہ صرف آزاد عورتوں کے ہیں کیونکہ شادی شدہ مومن عورتوں سے نکاح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو اس کی وجہ بالکل واضح ہے یعنی یہ کہ مُحْصَنٰتٌ کے حقیقی معنے تو شادی شدہ آزاد عورتوں ہی کے ہیں لیکن مجازاً صرف آزاد عورتوں پر بھی یہ لفظ بول دیا جاتا ہے بشرطیکہ مجاز کا کوئی قرینہ موجود ہو اور یہاں قرینہ موجود ہے کیونکہ مُحْصَنٰتٍ کا لفظ مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (مومن کنیزوں) کے مقابلے میں آرہا ہے۔ لہٰذا لامحالہ مُحْصَنٰتٌ سے مراد آزاد عورتیں ہوں گی لیکن مَاعَلیٰ الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ میں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔

لہٰذا معترض کا یہ کہنا کہ اس آیت کے شروع میں اَلْمُحْصَنٰتُ کے معنے چونکہ آزاد عورتوں کے کیے گئے ہیں اس لیے آیت کے آخر میں بھی اَلْمُحْصَنٰتُ کے معنے آزاد عورتوں ہی کے ہونے چاہئیں نہ کہ شادی شدہ عورتوں کے تو اس مطالبے میں کوئی وزن نہیں ہے کیونکہ خود معترض کے نزدیک بھی جب اسی فقرے میں فَاِذَا اُحْصِنَّ کے معنے ''جب وہ شادی شدہ ہوں'' کے کیے گئے ہیں تو اسی فقرے میں اَلْمُحْصَنٰتُ کے معنے شادی شدہ عورتوں کے کیوں نہ کیے جائیں۔ اِذَا اُحْصِنَّ کا لفظ تو صرف دو لفظ پہلے آچکا ہے اور اَلْمُحْصَنٰتُ کا لفظ پوری پانچ سطریں پہلے آیا ہے تو قریب ترین لفظ کا اعتبار کیوں نہ کیا جائے۔

اسی بات کو ایک دوسرے انداز سے سمجھئے۔

بانداز دیگر

بقول امام راغب اَلْحَصَانُ (اور اَلْمُحْصَنَةُ بھی) محفوظ عورت کو کہتے ہیں (۱) اپنی

عفت اور پاک دامنی کی وجہ سے (۲) یا شادی شدہ ہونے کی وجہ سے (۳) یا اپنی شرافت و حریت کی وجہ سے۔

آیت مذکورہ بالا میں عفت اور پاک دامنی کی وجہ سے تو انھیں مُحْصَنٰتٌ کہا نہیں جاسکتا۔ کیونکہ مَاعَلیٰ اَلْمُحْصَنٰت مِنَ الْعَذَابِ (جو کچھ محصنت کو سزا دی جاتی ہے) سے اس کی جڑ کٹ جاتی ہے کیونکہ وہ سزایافتہ ہیں اور سزا یافتہ عورتیں ظاہر ہے کہ پاک دامن نہیں ہوسکتیں۔

رہ گئے دوسرے دونوں معنے ''تو حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں مُحْصَنٰتٌ کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک باکرہ کے مقابلے میں شادی شدہ عورت کے لیے جو خاوند کے حصار عافیت وحفاظت میں آجاتی ہے اور دوسرے باندیوں کے مقابلے میں آزاد خاندانی عورتوں کے لیے جنھیں لونڈیوں کی بہ نسبت خاندانی حصار حاصل ہوتا ہے گویا مُحْصَنٰتٌ کے لغوی معنے میں حِصْنٌ (حفاظت) کا جو پہلو ہے وہ دونوں قسم کی عورتوں (شادی شدہ عورت اور آزاد خاندانی عورت) میں پایا جاتا ہے۔ اس اشتراکِ معنے کی وجہ سے دونوں قسم کی عورتوں کے لیے قرآن میں ''مُحْصَنٰتٌ'' کا لفظ وارد ہوا ہے اور قرآن کا سیاق وسباق اس بات کی نشان دہی کر دیتا ہے کہ مُحْصَنٰتٌ کس جگہ کس معنے میں آیا ہے۔''☆

ہمارے علماء کو اصرار ہے کہ آیت میں اَلْمُحْصَنٰتُ کے معنے شادی شدہ عورتوں کے نہ کیے جائیں کیونکہ اس سے ان کی مزعومہ حد رجم کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے وہ کہتے ہیں کہ یہاں اَلْمُحْصَنٰتُ کے معنے آزاد خاندانی عورتوں کے کیے جائیں تاکہ ان کی بات کچھ تو بنی رہے لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ان کی بات پھر بھی نہیں بنتی کیونکہ اس صورت میں آیت کا مطلب یہی تو ہوگا کہ کنیزیں اگر زنا کا ارتکاب کریں تو انھیں آزاد خاندانی عورتوں سے آدھی سزا دی جائے یعنی آزاد خاندانی عورتوں کو باندیوں سے ڈبل سزا دی جاتی ہے۔ باندیوں کے متعلق معلوم ہے اور امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ انھیں پچاس کوڑے مارے جاتے ہیں تو اس کے ڈبل سو کوڑے ہوئے جو ہر آزاد خاندانی عورت کی سزا ہے اَلْمُحْصَنٰت کے معنے ہر آزاد خاندانی عورت کے ہیں کیونکہ خاندانی حصار عافیت وحفاظت جیسا کہ کنواری عورتوں کو حاصل ہوتا ہے۔ شادی شدہ عورتوں کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے معنے صرف کنواری خاندانی عورت کے نہیں کیے جاسکتے۔

☆ مندرجہ عبارت ہماری نہیں ہے بلکہ حافظ صلاح الدین یوسف صاحب مدیر ''الاعتصام'' لاہور کی ہے۔ دیکھئے ''حد رجم کی شرعی حیثیت'' صفحہ ۳۵۔

اَلْمُحْصَنٰت کا الف و لام

پھر اَلْمُحْصَنٰتُ پر الف و لام استغراق یا جنس کا ہے جیسا کہ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِیْ پر ہے۔ جیسا کہ ہر زانی اور ہر زانیہ کو خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ سو کوڑے مارے جائیں گے ایسے ہی زنا کی سزا ہر خاندانی آزاد عورت کو خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، کنیزوں سے ڈبل سزا یعنی پچاس کوڑے کے دوگنے یعنی سو کوڑے دی جائے گی۔

اسے چابک دستی، بد دیانتی، دیدہ دلیری، کونسا خطاب دیا جائے کہ ہمارے فاضل محترم حافظ صلاح الدین یوسف مدیر ''الاعتصام'' لاہور، اپنی کتاب ''حد رجم کی شرعی حیثیت'' صفحہ ۳۵ پر مُحْصَنٰتُ کے لغوی معنے پر بحث کرتے ہوئے مندرجہ بالا اقتباس کے بعد فرماتے ہیں ''زیر بحث آیت کے ٹکڑے فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَاعَلَى الْمُحْصَنٰتِ میں مُحْصَنٰت کا لفظ آزاد خاندانی (غیر شادی شدہ) عورت (الحرائر الابکار) کے معنے میں ہے نہ کہ شادی شدہ عورت کے معنے میں۔ اس کی واضح دلیل خود اسی آیت کا وہ ابتدائی ٹکڑا ہے جہاں یہ لفظ (مُحْصَنٰت) آزاد خاندانی عورتوں کے معنے میں ہے۔''

حالانکہ مُحْصَنٰتُ کی لغوی بحث کرتے ہوئے وہ دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ اس لفظ کے معنے دونوں قسم کی عورتوں کے ہوتے ہیں۔ شادی شدہ عورت اور آزاد خاندانی عورت، حفاظت کے اشتراک معنی کی وجہ سے ان دونوں قسم کی عورتوں کے لیے قرآن میں مُحْصَنٰتُ کا لفظ وارد ہوا ہے (صفحہ ۳۵) لیکن جب وہ بحث کا نتیجہ نکالنے بیٹھتے ہیں تو آزاد خاندانی عورت کے بعد بین القوسین (غیر شادی شدہ) اور (الحرائر الابکار) کے ٹکڑے بڑھا دیتے ہیں۔ کیا جناب حافظ صاحب سے پوچھا جاسکتا ہے کہ یہ ''غیر شادی شدہ'' اور (الحرائر الابکار) آپ نے بین القوسین کس لغت کے ماتحت پڑھایا ہے۔ آپ اپنے قارئین کو یہ دھوکہ کیوں دینا چاہتے ہیں کہ لغوی معنے کے اعتبار سے ہی کنواری اور غیر شادی شدہ آزاد عورتیں ہی مُحْصَنٰتُ کے لفظ سے مراد ہوا کرتی ہیں۔ کیا وہ آزاد خاندانی عورتیں جو کنواری نہ ہوں یا ان کے شوہر زندہ نہ ہوں عربی لغت کے اعتبار سے مُحْصَنٰتُ نہیں ہوتیں یا قرآن کریم نے اپنی کسی آیت میں ان خاندانی عورتوں سے جن کو ان کے شوہروں نے طلاق دے دی ہو یا جن کے شوہر مرگئے ہوں اور وہ عورتیں بیوہ ہوچکی ہوں نکاح کرنا ممنوع قرار دیا ہے اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو آپ عوام کو کیوں بیوقوف بناتے ہیں؟ خدارا کچھ تو علم کی شرم رکھیے۔

اس آیت کریمہ نے جہاں یہ بتا دیا کہ شادی شدہ کنیزوں کی سزا، آزاد شادی شدہ

عورتوں کی سزا سے نصف ہوگی، وہیں ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا ہے کہ آزاد شادی شدہ عورتوں کی سزا یقیناً ایسی ہے جس کا نصف کر لینا ممکن ہے چنانچہ اسی وجہ سے ہمارے تمام فقہاء متفقہ طور پر اسی آیت کی وجہ سے اس کے قائل ہیں کہ اگر کسی کنیز سے ارتکاب زنا کا جرم سرزد ہوجائے تو اسے پچاس کوڑے (سو کوڑوں کے نصف) مارنے چاہئیں گویا وہ اس کے مدعی ہیں کہ آزاد شادی شدہ عورتوں کی سزا سو کوڑے ہوتی ہے کیونکہ اگر شادی شدہ آزاد عورتوں کی سزا رجم مانی جائے تو اس کو نصف کر لینا ممکن نہیں ہے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوگیا کہ شادی شدہ آزاد عورتوں کی سزا رجم کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ سو کوڑے مارنا ہے کیونکہ اسی کی تنصیف (آدھا کر لینا) ممکن ہوسکتی ہے ورنہ علماء کے قول کے مطابق حق تعالیٰ سے سزا کے بیان میں چوک ہوگئی کہ حق تعالیٰ نے ایسی سزا کا حکم صادر فرما دیا جس پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

ایک صاحب کا کہنا ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں ''نِصْفُ مَاعَلَى الْمُحْصَنٰتِ'' کے الفاظ آئے ہیں، یعنی شادی شدہ کنیزوں کی قرآن کریم نے صراحۃً کوئی سزا نہیں بتائی بلکہ اجمالاً یہ بتانے پر اکتفاء فرمایا ہے کہ جو آزاد شادی شدہ عورتوں کو سزا دی جاتی ہے کنیزوں کو اس کی آدھی سزا دی جائے یعنی آزاد شادی شدہ عورتوں کی سزا کے متعلق قرآن کریم نے یہ عندیہ دیا ہے کہ ان کی سزا تو مسلمانوں کو معلوم ہی ہے اور وہ ہم بتا ہی چکے ہیں۔ لہٰذا اس سزا سے بس آدھی سزا دے دو اور چونکہ آزاد شادی شدہ عورت کی سزا کا قرآن کریم میں الگ کوئی بیان نہیں آیا۔ زنا سے متعلق صرف وہی ایک آیت اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (۲/۲۴) آئی ہے۔ تصریف آیات کے ذریعے سے قرآن اپنی تفسیر خود ہی کر دیتا ہے۔ اَلْقُرْاٰنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا (قرآن کی بعض آیتیں دوسری بعض آیتوں کی تفسیر ہوتی ہیں)۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ آیت مذکورہ (۲/۲۴) میں سو کوڑے صرف شادی شدہ آزاد عورتوں ہی کی سزا بیان ہوئی ہے جس کا حوالہ سورۂ نساء کی آیت (۴/۲۵) میں دیا گیا ہے اور غیر شادی شدہ آزاد عورتوں کی سزا بیان ہی نہیں فرمائی۔ اسی طرح غیر شادی شدہ کنیزوں کی سزا بھی قرآن نے بیان نہیں کی۔ اس لیے غیر شادی شدہ آزاد عورتیں اور کنیزیں اگر زنا کی مرتکب ہوجائیں تو ان پر قرآنی حد نہیں ہے البتہ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا (۴/۱۶) کے تحت ان کو تعزیری سزا دی جاسکتی ہے۔

اگرچہ ہم استدلال کی تائید نہیں کرسکتے تاہم اس استدلال کی قوت سے کون انکار کرسکتا ہے؟

جو حضرات رجم کی سزا کو قرآنی حد ثابت کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں انھیں اس

استدلال کا بھی جواب دینا چاہیے۔

واضح رہے کہ قرآن کریم اسلام کا ضابطۂ حیات ہے اس میں پوری نوعِ انسانی اور خصوصاً مسلمانوں کے لیے قوانین دیے گئے ہیں، قانون کی زبان نہ مجمل اور مبہم ہوسکتی ہے نہ ذو معنی اور مہمل ہوسکتی ہے اور پھر جب کہ وہ خدا کی کتاب ہے اس کا ایک ایک لفظ اپنی اہمیت اور قیمت رکھتا ہے وہ نہایت واضح، صاف اور دوٹوک ہوتی ہے لہٰذا جیسا کہ ہم نے عرض کیا نِصْفُ مَاعَلَی الْمُحْصَنٰتِ کے لفظ میں الف لام کے استغراق نے بالکل واضح طور پر بتا دیا ہے کہ یہاں مُحْصَنٰت سے مراد وہ تمام خواتین ہیں جن کا دامن عصمت محفوظ ہو، چاہے شادی شدہ ہونے کی وجہ سے یا ان کی اپنی پاک دامنی یا خاندانی وجاہت کی وجہ سے لہٰذا ان تمام محصنہ عورتوں کی سزا ایسی ہے جس کی تنصیف (آدھا کرلینا) ممکن ہے۔ ہمارے علمائے کرام کا یہ ارشاد کس قدر ناقابل فہم ہے کہ مَاعَلَی الْمُحْصَنٰت (یعنی شادی شدہ آزاد عورتوں کی سزا) تو سنگسار کر دینا ہی ہے لیکن چونکہ اس سزا کو آدھا کر دینا ممکن نہیں ہے اس لیے کنیزوں کے سلسلے میں ہم اسے کوڑوں کی سزا میں تبدیل کر لیتے ہیں جسے نصف کر لینا ممکن ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں غلام اور باندیوں کے سزا کے بیان پر حاشیہ میں محشی نے صاحب عنایہ سے نقل کیا ہے کہ ثُمَّ الْعَذَابُ الْمَذْکُوْرُ فِی الْاٰیَۃِ الْجَلْدُ دُوْنَ الرَّجْم لِاَنَّہٗ لَا یَنْتَصِف (ہدایہ جلد ۲، صفحہ ۵۱۰، مطبوعہ کلام کمپنی، کراچی) یعنی پھر آیت میں جس سزا کا ذکر کیا گیا ہے وہ کوڑے مارنا ہوگا۔ رجم کرنا نہیں کیونکہ رجم کی سزا کو نصف نہیں کیا جاسکتا، مگر یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو تبدیل کر لینے کا اختیار تو کسی کو بھی نہیں۔

لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ (۱۰/۶۴)

ترجمہ: اللہ کی باتیں تبدیل نہیں ہوسکتیں۔

یہ حق تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں تھا۔

قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ ھٰذَا اَوْ بَدِّلْہُ ط قُلْ مَا یَکُوْنُ لِیْ اَنْ اُبَدِّلَہٗ مِنْ تِلْقَآیِٔ نَفْسِیْ ج اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ ط اِنِّیْ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ○ (۱۰/۱۵)

ترجمہ: جو لوگ ہمارے سامنے پیشی کی توقع نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ (اے پیغمبر!) اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لے آؤ یا اسی کو بدل دو، آپ کہہ دیجیے کہ مجھے اپنی طرف سے بدلنے کا اختیار نہیں ہے۔ میں اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو

مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

غور تو فرمایئے کہ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوا کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ نے ایک غلط اور ناممکن العمل بات کا حکم صادر فرما دیا جس کی تصحیح ہمارے علمائے کرام کو کرنی پڑ رہی ہے۔

بہرحال اس آیت کریمہ نے صرف شادی شدہ کنیزوں کی ہی سزا نہیں بتائی بلکہ شادی شدہ آزاد عورتوں کی سزا بھی بتا دی ہے یعنی سو کوڑے مارنا جس کی نصف یعنی پچاس کوڑے کنیزوں کی سزا ہوگی۔ یہ آیت کریمہ اس قدر صریح اور واضح ہے کہ اس کے بعد رجم کی سزا کو حد قرآنی سمجھنے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اِحْصَانٌ کے معنے حفاظت حاصل کر لینے کے ہیں۔ عام طور پر عورت کو شادی کر لینے کے بعد شوہر کی حفاظت حاصل ہوجاتی ہے لہٰذا مُحْصَنٰتٌ ان عورتوں کو کہتے ہیں جن کی شادی ہوچکی ہو۔ دوسرے اِحْصَانٌ عورت کی خود اپنی پاک دامنی اور عفت و عصمت سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ان عورتوں کو بھی مُحْصَنٰتٌ کہنا صحیح ہے جو بذاتِ خود پاک دامن، باعصمت اور عفیف ہوں۔ تیسرا اِحْصَان خاندانی شرافت و وجاہت سے عورتوں کو حاصل ہوسکتا ہے۔ یعنی آزاد اور خاندانی عورتیں بھی مُحْصَنٰتٌ کہی جاسکتی ہیں۔ اب اس آیت کریمہ میں دوسرے معنے تو ہو ہی نہیں سکتے۔ یعنی وہ عورتیں عفیف اور پاک دامن تو ہیں نہیں کیونکہ آیت کریمہ میں مَاعَلَی الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ سے معلوم ہوگیا کہ یہ عورتیں سزایاب ہیں۔ انھیں سزا دی جاچکی ہے لہٰذا وہ پاک دامن تو نہیں ہیں۔ اب صرف پہلے معنی یا تیسرے معنی ہوسکتے ہیں یعنی وہ یا تو ایسی عورتیں ہیں جنھیں نکاح ہوجانے کی وجہ سے احصان (حفاظت) حاصل ہوگئی ہے۔ اور یا ایسی عورتیں ہیں جو اپنی خاندانی شرافت و وجاہت سے محفوظ ہیں اس لیے مُحْصَنٰت ہیں۔ اگر پہلے معنے یعنی شادی شدہ کے معنے لیے جائیں تو اس سے معلوم ہوگا کہ شادی شدہ آزاد عورتوں کی سزا ان باندیوں سے ڈبل یعنی سو کوڑے ہے رجم نہیں ہے اور اگر تیسرے معنی لیے جائیں تو پھر بھی وہ عورتیں جنھیں خاندانی شرافت و وجاہت کی وجہ سے حفاظت اور احصان حاصل ہوتا ہے وہ کنواری اور شادی شدہ دونوں ہوتی ہیں۔ خاندانی شرافت و وجاہت اور حریت کی وجہ سے حفاظت ہر خاندانی عورت کو حاصل ہوتی ہے وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ اس معنیٰ میں بھی یہ آیت فریق مخالف کے لیے مفید مطلب نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ آیت کا مطلب یہی ہوگا کہ خاندانی آزاد عورتوں کو خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ کنیزوں سے دوگنی سزا دی جانی چاہیے اور کنیزوں کو ان خاندانی عورتوں سے آدھی سزا ملے گی یعنی جو مشکل انھیں اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ میں پیش آ رہی تھی کہ یہ لفظ ہر زانی کو خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ شامل تھا

وہی مشکل مَاعَلیٰ الْمُحْصَنٰت میں بھی پیش آئے گی کیونکہ الْمُحْصَنٰت بھی دونوں کو شامل ہے۔ شادی شدہ خاندانی عورتوں کو بھی اور غیر شادی شدہ کو بھی۔

مَاعَلیٰ الْمُحْصَنٰت کی نئی تفسیر

ماشاء اللہ ہمارے ہاں ایک سے ایک بڑا عالم پڑا ہوا ہے جو دن کو رات اور رات کو دن کرسکتے ہیں۔ چنانچہ ایک محترم نے حال ہی میں ایک نیا شوشہ چھوڑا ہے کہ آیت کریمہ مَاعَلیٰ الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ میں مُحْصَنٰت سے مراد صرف غیر شادی شدہ آزاد عورتیں ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''دوسرا سوال آپ یہ کرسکتے ہیں کہ آخر شادی شدہ اور غیر شادی شدہ مرد اور عورت کی سزاؤں میں فرق کیوں ہے؟

یہاں اختلافِ احوال کے لحاظ سے مجرم کو اس کی مجبوری یا کمزوری کا الاؤنس دیا جاتا ہے دوسرے لفظوں میں مجرم سے جائز طور پر جو ہمدردی کی جاسکتی ہے یا رعایت ہوسکتی ہے شریعت اسے ملحوظ رکھتی ہے۔ مثلاً عورت کے سہ گونہ مدارج یہ ہیں:

(۱) شادی شدہ فَتَیات (غیر آزاد اور غیر خاندانی عورتیں، یعنی کنیزیں) ۵۰ کوڑے۔

(۲) غیر شادی شدہ مُحْصَنٰت (آزاد خاندانی عورتیں) ۱۰۰ کوڑے۔

(۳) شادی شدہ آزاد خاندانی عورتیں، رجم (سزائے موت بشمول تذلیل)

پہلی صورت میں مجرمہ کو ایک کمزور صورت احصان حاصل ہے لہٰذا سزا بالکل کم نمبر (۲) سے آدھی۔ دوسری صورت میں چونکہ خاندانی عورت کو خاندان کی وجہ سے خاص مضبوط صورتِ تحفظ و احصان حاصل ہے لہٰذا وہ اگر اسے توڑ کر جرم کرتی ہے تو سزا پہلی صورت سے دوگنی ہوگی اور یہی عام معیاری سزا ہے (معلوم نہیں محقق محترم کا اس سے مقصود کیا ہے؟) تیسری صورت میں چونکہ خاندان اور نکاح کی دو قلعہ بندیوں کو توڑ کر مجرمہ جرم کرتی ہے اور یہ جسارتِ جرم غیر معمولی درجے کی ہے اور اس پر شہادت بھی غیر معمولی درجے کی لی جاتی ہے لہٰذا رجم ہے۔ اسی طرح غیر شادی شدہ مرد اور شادی شدہ مرد کے معاملے میں فرق ہے جن لوگوں نے نکاح سے پہلے کی حالت احصان کو نہیں سمجھا اور خاندانی احصان اور نکاحی احصان میں فرق نہیں کیا انھوں نے خاندانی منکوحہ اور خاندانی غیر منکوحہ عورت یا مرد میں فرق نہیں کیا حالانکہ سورۃ نساء میں دو قسم کی عورتوں کا ذکر ہے ایک منکوحہ کنیز دوسرے غیر منکوحہ شریف خاندانی عورت یہاں سرے سے

شادی شدہ آزاد خاندانی عورت☆ کی سزا کا قصہ ہی نہیں۔ وہ ایک الگ درجۂ جرم ہے اور اس کی سزا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح بھی کی اور جاری بھی کی۔ یعنی سورۂ نساء کی آیت (۲۵/۴) مَاعَلیٰ الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ میں الْمُحْصَنٰت کے معنے شادی شدہ آزاد عورتوں کے نہیں ہیں بلکہ غیر شادی شدہ آزاد عورتوں کے ہیں اور ان کو محصنت اس لیے کہا گیا ہے کہ آزاد خاندانی عورت ہونے کی حیثیت سے انھیں کنیزوں کے مقابلے میں خاص اور مضبوط تحفظ و احصان حاصل ہے۔ آزاد شادی شدہ عورتوں کی سزا قرآن کریم نے بیان ہی نہیں فرمائی۔ اس کی سزا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح بھی کی اور جاری بھی کی اس کا جواب ہم اس سے پہلے دے چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ مُحْصَنٰتٌ کے معنے خاندانی شرافت اور حریت کے حصارِ حفاظت کی وجہ سے ہر آزاد خاندانی عورت کے تو ہوسکتے ہیں لیکن صرف کنواری آزاد خاندانی عورت کے نہیں ہوتے۔ اس کا ثبوت کسی عربی لغت سے پیش نہیں کیا جاسکتا۔

علاوہ اس کے یہ موقف انتہائی غلط اور غیر معقول ہے کہ درجۂ سوم و دوم (پچاس کوڑے اور سو کوڑے) کی سزا تو قرآن کریم نے خود بیان فرمادی اور درجۂ اوّل کی اہم ترین سزا رجم کو قرآن نے خود بیان نہیں فرمایا جس میں ایک مسلمان آدمی کی زندگی کا سوال بھی تھا کہ اسے سنگسار کر کے مار ڈالا جائے، اسے حق تعالیٰ نے راویوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جو نہ تواتر کی حد حاصل کرسکا اور نہ اجماع حقیقی کی حد۔ فقہائے حنفیہ کے بقول وہ خبر مشہور کے درجے تک ہی پہنچ سکا۔ (خبر مشہور وہ ہوتی ہے جو پہلے اور دوسرے راوی کی حد تک خبر واحد ہی ہوتی ہے البتہ بعد میں مشہور ہوجاتی ہے یہ صرف حنفیہ کی اصطلاح ہے) جس سے صرف علم طمانیت ہی حاصل ہوسکتا ہے یعنی ایسا اطمینان جو جہتِ صدق کو صرف ترجیح دے دے اور جہتِ کذب کو بالکلیہ ختم نہ کرسکے۔ جس کے منکر کی تکفیر نہیں کی جاسکتی زیادہ سے زیادہ اسے گمراہ کہا جاسکتا ہے۔ (دیکھئے اصول بزدوی، صفحہ ۱۵۲، مطبوعہ نور محمد، آرام باغ، کراچی)۔

چونکہ رجم صرف حدیث مشہور سے ثابت ہوسکا ہے جس میں کذب کا شبہ اور احتمال

☆ سورۂ نساء کی آیت ۲۵ یوں شروع ہوتی ہے وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْکِحَ الْمحصنت المؤمنت (تم میں سے جو کوئی استطاعت نہ رکھتا ہو کہ مومن عورتوں میں سے محصنات (محفوظ) کے ساتھ شادی کرے ..... یہاں تک صاف مطلب یہ ہوا کہ مومن عورتیں شادی کرنے سے پہلے بھی ایک قسم کی حالتِ احصان میں ہوتی ہیں۔ ان کے بالمقابل دوسری طرف غیر خاندانی عورتوں کے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں کہ ''فَاِذَا اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَةٍ'' ترجمہ: پھر اگر وہ حالتِ احصان میں آجائیں (یعنی نکاح کرلیں) تو ان کے لیے نصف سزا ملے گی۔ بات واضح ہے کہ شریف خاندانی عورتوں کی حالت احصان مستقل ہے اور مضبوط بخلاف اس کے نکاح کرنے والی کنیز کو نکاح کی وجہ سے جو حالتِ احصان ہوتی ہے وہ نسبتاً کمزور نوعیت کی ہے۔ اس فرق کا اثر سزا پر پڑا۔ (یہ حاشیہ بھی ترجمان القرآن کا ہے۔ مؤلف)

موجود ہوتا ہے گو مرجوح ہی سہی۔ لہٰذا وہ قطعی نہ ہوا۔ شک اور شبہ کا فائدہ ہمیشہ مجرم کو پہنچتا ہے اور تمام فقہاء نے اسے تسلیم کیا ہے کہ حدود تو ہمیشہ شبہات سے ساقط ہوجاتے ہیں تو ایک غیر قطعی حکم سے ایک مسلمان کی جان لینے کا جواز کس طرح نکالا جاسکتا ہے رجم کے انکار کا دروازہ تو اسی سے کھل جاتا ہے۔

ہم شروع سے یہی بات کہتے آ رہے ہیں کہ رجم قرآنی حد نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے جن لوگوں کو رجم فرمایا تھا وہ بطور حد کے نہیں بلکہ بطورِ سیاست اور تعزیر کے رجم فرمایا تھا حکومتِ وقت اگر آج بھی زنا کے جرم میں رجم کرنا چاہے یا اس سے بھی کوئی زیادہ سخت سزا تعزیراً دینا چاہے تو یقیناً دے سکتی ہے۔

للعاہر الحجر کی غلط توضیح

اس کے بعد ارشادِ نبویؐ کی اہمیت اور حجیت پر لمبی چوڑی بحث کے بعد موصوف نے خطبۂ حجۃ الوداع کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''اس اعلامئے یا دستاویز میں ایک جملہ یہ ہے کہ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَر (بچے پر حق اس کا جس کے بستر پر (یعنی گھر) میں پیدا ہوا، اور زانی کے لیے پتھر) یعنی زانی کسی بچے کے لیے دعویٰ (claim) نہیں کرسکتا کہ یہ میری بدکاری کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا میں اس پر حق رکھتا ہوں۔ نہیں، اگر وہ زنا کا اقرار کرے گا (یا شرعی طریق سے اس کا جرم ثابت ہو جائے گا) تو اسے پتھر کھانے ہوں گے۔ لیجیے حضورؐ کے آخری وصیتی خطاب میں بھی سزائے رجم کا تذکرہ موجود ہے (ایضاً اشارات، ترجمان القرآن، شمارہ مئی ۸۱ء)۔

اس کے متعلق ہم اتنا عرض کرنے کی جسارت کریں گے کہ عام طور پر ہمارے فقہاء اور شراح حدیث نے اس کا وہ مطلب بیان نہیں کیا جو آں محترم نے بیان فرمایا ہے۔ عام طور پر محدثین نے اس کا مطلب یہی لکھا ہے کہ ''بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر (یعنی گھر میں) وہ پیدا ہوا اور زانی کے لیے کچھ نہیں۔ اس کے منہ میں خاک۔ یہ عربی کا محاورہ ہے دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاہلیت کی اس پرانی رسم کا ابطال فرما رہے ہیں کہ فلاں کی باندی سے میں نے زنا کیا تھا، اس سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ میرا ہے لہٰذا تم اسے لے آنا، لوگ اس طرح پیدا ہونے والے بچوں کو لے آتے تھے اور ان کا نسب ان دعویداروں سے تسلیم کرالیا جاتا تھا۔ آپ نے اس کی تردید فرما دی کہ بچہ اسی کا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا اور دعویداروں کا اس پر کوئی حق نہیں ہے۔

ہمارے محترم نے اس حدیث کی جو تشریح فرمائی ہے وہ بہ وجوہ غلط ہے:

اوّل: ہر زانی کو رجم نہیں کیا جاتا۔ فقہاء کے قول پر بھی صرف شادی شدہ زانی کو رجم کیا جاسکتا ہے اور اس حدیث میں مطلقاً ہر زانی کے لیے پتھر کی بات کہی گئی ہے چنانچہ علامہ شوکانی کہتے ہیں:

قوله وللعاهرالحجر العاهر الزانی ..... ومعنی له الحجر الخیبة ای لاشیئی له فی الولد۔ والعرب تقول: له الحجر و بفیه التراب: یریدون لیس له الا الخلیبة۔ وقیل المراد بالحجرا نه یرجم بالحجارة اذا زنی، ولکنه لایرجم بالحجارة کل زانٍ بال المحصن فقط (کتاب اللعان باب ان الولدللفراش دون الزانی، جلد۶، ۲۹۶، نیل الاوطار مطبوعہ، قاعرہ ۱۹۵۲ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد وللعاهرالحجر میں العاهر زانی کو کہتے ہیں ..... له الحجر کے معنے یہ ہیں کہ اس کے لیے نامرادی ہے۔ یعنی اس کے لیے بچے کے بارے میں کچھ نہیں ہے۔ عربوں کا محاورہ ہے۔ ''اس کے لیے پتھر ہے'' اور ''اس کے منہ میں خاک'' ان سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے لیے نامرادی کے سوا کچھ نہیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حجر سے مراد یہ ہے کہ جب وہ زنا کرے تو اسے سنگسار کردیا جائے۔ لیکن یہ غلط ہے کیونکہ ہر زانی کو تو سنگسار نہیں کیا جاتا بلکہ صرف شادی شدہ کو سنگسار کیا جاتا ہے۔

ابن الاثیر تحریر فرماتے ہیں:

''للعاهرالحجر کے معنے یہ ہیں کہ زانی کا بچے میں کوئی حصہ نہیں۔ وہ صاحبِ فراش کا ہے یعنی وہ ام ولد کے مالک کا ہے اور وہ اس کا شوہر بھی ہوسکتا ہے اور مالک بھی ہوسکتا ہے۔ یہ قول اس دوسرے قول کی طرح ہے جس میں کہا جاتا ہے لَهٗ التراب (اس کے لیے خاک۔''

(النہایہ لابن الاثیر، جلد۳، صفحہ ۳۲۶، مطبوعہ قاہرہ بہ تحقیق طاہر احمد الزاوی)

مجمع بحارالانوار محمد طاہر پٹنی میں ہے:

''یعنی زانی کا بچے میں کوئی حصہ نہیں۔ وہ صاحب فراش کا ہے یعنی ام الولد کے مالک کا وہ اس کا شوہر بھی ہوسکتا ہے اور اس کا مالک بھی۔ یہ

ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی دوسرے سے کہے "له التراب" یعنی اس کے لیے کچھ نہیں اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد رجم ہے۔ اس قول کو ضعیف لوگوں نے کہا ہے کیونکہ ہر زانی کا رجم تو نہیں کیا جاتا۔"

(مجمع بحارالانوار، جلد ۲، صفحہ ۴۴۵، مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ)

مولانا وحیدالزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"یعنی زانی کا کوئی حق اس بچے پر نہ ہوگا۔ دوسری روایت ہے له التراب اس کو مٹی ملے گی۔ بعض نے یہ کہا پتھر سے مراد یہ ہے کہ وہ سنگسار کیا جائے گا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہر زانی کو سنگسار نہیں کر سکتے۔ دوسرے سنگسار کرنے سے بچے کے نسب کی نفی نہیں ہوگی تو صحیح یہی ہے کہ له الحجر سے مراد یہ ہے کہ زانی کو خاک یعنی اسے کچھ نہیں ملے گا۔ (دیکھئے لغات الحدیث مولانا وحیدالزماں، جلد ۴، صفحہ ۲۳۵، مطبوعہ نور محمد، آرام باغ، کراچی)۔

دوم: محترم موصوف کی تشریح کے غلط ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حدیث میں لِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ سے پہلے اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ کا لفظ لگا ہوا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ بچہ بستر والے کا ہے یعنی جس کے گھر میں وہ پیدا ہوا ہے اسی کا ہے اس سے لازم آتا ہے کہ زانی اگر زنا کرے اور اسی سے بچہ پیدا ہو، زانی اپنے بچے کا اعتراف کرے یا دیگر شرعی طریق سے یعنی شہادات سے اس کا جرم ثابت ہوجائے عدالت اسے مجرم قرار دے دے اور اس پر رجم کی حد بھی جاری کر دی جائے، یعنی عدالت اس بات کو تسلیم کر لے کہ جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ مجرم کی بدکاری کا نتیجہ ہے اور حرام کا ہے مگر اس کے باوجود بچہ اسی کا سمجھا جائے جس کے بستر پر یعنی جس کے گھر میں وہ پیدا ہوا ہے اور اسی سے اس کا نسب ثابت کیا جائے اور وہ اس کا وارث بھی ہو اور اس کے ترکے میں سے اُسے حصہ بھی دلایا جائے اور اگر یہ بچہ جوان ہو کر کچھ کما دھا کر مرجائے تو وہ شخص اس کا وارث ہو جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا تھا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا عدالت کے وہ تمام فیصلے جو اس بچے کے ولدالحرام ہونے کے حق میں تھے کالعدم ہوجائیں گے؟ اور صاحبِ مکان کو زبردستی یہ ولدالحرام پالنا پڑے گا اور اپنا وارث قرار دینا پڑے گا؟ حالانکہ ایسا نہیں ہے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ موصوف کی یہ تشریح صحیح نہیں ہے۔

علامہ ابوزہرہؒ مصری کی رائے

علامہ علی علی منصور نے اپنی کتاب "نظام التجریم والعقاب فی الاسلام" میں جو مطبع مؤسسة الزهراء للايمان والخير (مدینہ منورہ) سے دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور جس پر الامام الاکبر عبدالحلیم محمود شیخ الجامع الازهر اور الامام الشیخ حسنین محمد مخلوف مفتی الدیار المصریة وعضوالمجلس التاسیسی للرابطة العالم الاسلامی بمکة المکرمة کی تائیدات وتقریظات ہیں، رجم کے سلسلے میں موجودہ وقت کے مقتدر علماء وفضلاء کے اقوال وآرا نقل فرمائی ہیں، چنانچہ انھوں نے مصر کے مشہور ومعروف مقتدر عالم دین اور بین الاقوامی شہرت کے حامل فقیہ، جن کی ائمہ اربعہ سے متعلق متعدد کتابوں کا اردو میں ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے یعنی مشہور فاضل علامہ محمد ابوزہرہ کے ارشادات کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش فرمایا ہے:

(ا) سنگساری کی سزا ہولناک اور سنگ دلانہ سزا ہونے کے اعتبار سے شدید ترین سزا ہے۔ یہ سزا قصاص میں کسی کو قتل کر دینے اور بغاوت کے جرم میں جان سے مار ڈالنے سے بھی زیادہ ہولناک ہے جس میں سے بعض میں گردن اڑادی جاتی ہے اور بعض میں سولی پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اسے لازمی طور پر قرآن یا سنت متواترہ سے ثابت ہونا چاہیے تھا لیکن رجم کی روایات اخبار آحاد سے بیان ہوئی ہیں تواتر سے بیان نہیں ہوئیں۔ لہٰذا ان کے غلط اور جھوٹ ہونے کا احتمال باقی رہے گا۔ خواہ وہ احتمال کتنا ہی ضعیف اور غیر راجح کیوں نہ ہو۔

(ب) فقہائے حنفیہ کے نزدیک یہ بات اصول مسلمہ میں سے ہے کہ عام قطعی الدلالت ہوتا ہے چنانچہ سورۂ النور کی آیت اپنی دلالت میں عام ہی ہے جو شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں کو شامل ہے اور قطعی الدلالت ہے جسے اخبار احاد سے مخصوص نہیں کیا جاسکتا۔ چاہے ان احادیث کی سندیں کتنی ہی کیوں متعدد نہ ہوتیں۔ اور یہاں تو واقعہ یہ ہے کہ روایات کی سندات ایسی متعدد بھی نہیں ہیں۔ حالانکہ فقہائے حنفیہ نے زنا کے سلسلے میں وہ ملازم والی حدیث (جن میں زنا کی سزا کے ساتھ جلاوطنی کا ذکر ہے) اور جسے محدثین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے رد کر دی ہے۔ انھوں نے وہاں یہی فرمایا ہے کہ اس روایت سے قرآنی حکم پر اضافہ کرنا لازم آتا ہے اور قرآنی حکم پر اضافہ کسی ایسے امر سے ہونا ضروری ہے جو قطعیت کے نقطۂ نظر سے اسی کے ہم رتبہ ہو (واضح

رہے کہ اس حدیث میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ دو شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک شخص نے بیان کیا کہ اس کا بیٹا دوسرے آدمی کے ہاں ملازم تھا اس نے اس کی بیوی سے زنا کرلیا۔ لوگوں نے اس کی سزا بتائی تو میں نے اتنی کنیزیں اور اتنی بکریاں صدقہ کردیں تاکہ میرے بیٹے کو سزا سے معافی مل جائے اب آپؐ کتاب اللہ کے مطابق ہم دونوں میں فیصلہ فرما دیجیے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میں تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا باندیاں اور بکریاں تجھ پر واپس ہیں اور تیرے بیٹے پر سو کوڑے ہیں اور ایک سال تک ملک بدر کرنے کی سزا ہے۔'' (الحدیث) چونکہ اس حدیث میں ایک سال تک ملک بدر یا شہر بدر کر دینے کی سزا قرآن کریم پر اضافہ ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ اس لیے فقہائے حنفیہ نے اس حدیث کو رد کر دیا ہے اور اس واقعے میں ملک بدر کر دینے کی سزا کو سیاست وتعزیر پر محمول کر کے امام کی رائے پر چھوڑ دیا ہے۔

(ج) صحابہ کرام کی طرف سے اس بات میں شک کہ ماعز اسلمیؓ اور غامدیہؓ کو آپ نے سورۂ النور کی آیت کے نازل ہونے کے بعد سنگسار فرمایا تھا یا اس سے پہلے اس سزا کے باقی رہنے میں شک وشبہ کو تقویت پہنچاتا ہے اور شدید ترین سزا کے ثبوت میں شک، دلیل میں شک ہوگا۔ لہٰذا اس شک کی وجہ سے سزا ساقط ہونی چاہیے کہ تمام حدود شبہ سے ساقط ہوجاتی ہے۔

(د) باندیوں کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد:

فاذا احصن فان اتین بفاحشة فعليهن نصف ماعلى المحصنت من العذاب (۴/۲۵)

ترجمہ: تو جب کنیزیں شادی شدہ ہوں تو اگر وہ بے حیائی (زنا) کی مرتکب ہوجائیں تو ان پر اس سزا کا آدھا ہوگا جو شادی شدہ آزاد عورتوں پر ہوتی ہے۔

یہاں مُحْصَنٰت سے مراد شادی شدہ عورتیں ہی ہوسکتی ہیں کیونکہ خود اس آیت میں اور اس سے قبل کی آیات میں اس لفظ سے یہی معنیٰ مراد لیے گئے ہیں۔ جب آیت میں مُحْصَنٰت (شادی شدہ عورتوں) کی سزا اس قابل ہونی چاہیے تھی کہ اسے نصف کیا جاسکے اور ظاہر ہے کہ رجم کی سزا کو تو آدھا کرلینا ممکن ہی نہیں ہے۔

(ہ) خوارج، بعض زیدی شیعہ اور بعض معتزلہ اسی رائے سے منسلک ہیں کہ زنا کار کی سزا

کوڑے مارنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیونکہ یہی سزا قرآن کریم میں وارد ہوئی ہے اور قرآن کریم رجم کی سزا کو ہرگز نظرانداز نہ فرماتا اگر حق تعالیٰ یہ سزا دینا چاہتے۔ (نظام التجریم والعقاب فی الاسلام، جلد ا، صفحہ ۱۸۱۔۱۸۲)

حافظ ابن حجر شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ قاضی ابن العربی نے یہی رائے بعض مغاربہ (اہل مغرب یعنی مالکی حضرات) کی بھی نقل کی ہے (فتح الباری، جلد ۱۵، صفحہ ۱۲۷)، یہی رائے اَلْبَحْرُ الزَّخَّارُ کے حوالے سے علامہ شوکانی نے بعض زیدی شیعوں کی بیان کی ہے۔ (نیل الاوطار، باب رجم)

علامہ علی علی منصور

خود علامہ علی علی منصور اپنی رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں کہ ''سورۂ النور کی آیت نے آزاد محصنہ (شادی شدہ) زنا کار عورت کی سزا سو کوڑے بتائی ہے کیونکہ اس آخری (سورۂ نساء کی آیت ۴/۲۵ نے غیر آزاد، یعنی کنیز ---- شادی شدہ زانیہ کی سزا سو کوڑے کی آدھی یعنی پچاس کوڑے بتائی ہے یہ قرآن کریم کی ایک دوسری دلیل ہے کہ سنگسار کرنے کی سزا فرض (قرآنی حد) نہیں ہے حتیٰ کہ آزاد عورتوں پر بھی۔ (ایضاً نظام التجریم والعقاب فی الاسلام، جلد ا، صفحہ ۱۸۰)

استاذ مصطفیٰ زرقاء

مصر کے ایک اور جلیل القدر فقیہ اور عالم مصطفیٰ زرقاء نے تشریع اسلامی کی کانفرنس میں استاد ابو زہرہ کی تقریر سننے کے بعد جو مدینة البیضاء میں ۲۲ ربیع الاوّل ۱۳۹۲ء، مطابق ۶ مئی ۱۹۷۲ء کو منعقد ہوئی تھی، فرمایا ''میرے نزدیک شادی شدہ زانی کی سزا میں رجم کی سزا کو نہ لینا ان احادیث میں شک کی وجہ سے نہیں ہے جن میں سنگساری کی سزا وارد ہوئی ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ جو روایات ثابت ہوئی ہیں ان کو اس پر محمول کرلینا ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کرنے کا حکم بطور حد کے نہیں بلکہ بطور تعزیر کے دیا تھا۔

شیخ محمود شلتوت شیخ الازہر کی رائے

استاذ مصطفیٰ الزرقاء نے مزید فرمایا کہ سنت میں جو رجم کا حکم وارد ہوا ہے اس کو تعزیر پر محمول کر کے اسے امام (سلطان یا قاضی) کے تفویض کر دینا ہی استاد علامہ شیخ محمود شلتوت شیخ الازہر کی رائے بھی ہے (ایضاً جلد ا، صفحہ ۱۸۲، نظام التجریم والعقاب فی الاسلام)

اس کے بعد علامہ علی علی منصور نے عالم عرب کے مشہور علماء مثلاً علامہ شیخ علی خفیف اور علامہ شیخ عبدالوہاب خلاف کی تحقیق بھی اس کے مطابق نقل فرمائی ہے۔ (ایضاً جلد۱، صفحہ ۱۷۳) آگے بڑھنے سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شیخ ابو زہرہ مصری کی جو رائے ہم نے پیش کی ہے اس میں سے حصہ (ب) میں جو کچھ انھوں نے فرمایا ہے اس کی توضیح وتشریح کردی جائے۔ بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کی حدیث ہے کہ ابوہریرہ اور زید بن خالد جہنی نے بیان کیا کہ ایک اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے رسول اللہ! میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ میرے لیے کتاب اللہ سے فیصلہ فرما دیجیے۔ دوسرا آدمی زیادہ سمجھ دار تھا۔ اس نے کہا۔ ہاں ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرما دیجیے ..... اور مجھے اجازت دیجیے کہ میں واقعہ بیان کروں۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اچھا بیان کرو اس نے کہا کہ میرا بیٹا اس کے ہاں ملازم تھا اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کرلیا۔ لوگوں نے مجھے بتایا ہے میرے بیٹے کو سنگسار کیا جائے گا تو میں نے اس کی طرف سے فدیہ میں سو بکریاں اور ایک کنیز صدقہ کردی۔ اس کے بعد میں نے اہل علم سے پوچھا تو انھوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دینے کی سزا ہے اور اس کی بیوی پر رجم ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ باندیاں اور بکریاں تجھ پر واپس ہیں اور تیرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال کے لیے ملک بدر کر دینے کی سزا ہے اور اے اُنیس! (صحابی کا نام ہے) تم سویرے اس کی بیوی کے پاس جاؤ۔ اگر وہ زنا کا قرار کرے تو اسے رجم کردو۔ چنانچہ سویرے اُنیس گئے۔ اس نے اقرار کرلیا اور اسے رجم کر دیا گیا۔ (صحاح ستہ بحوالہ جمع الفوائد، جلد۱، صفحہ ۲۸۶)

یہ حدیث چھ کی چھ صحاح کی کتابوں اور صحاح کے علاوہ بھی حدیث کی تمام کتابوں میں بیان ہوئی ہے لیکن اس میں اس ملازم کے لیے جس سے زنا کا صدور ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سزائیں ارشاد فرمائیں (۱) سو کوڑے اور (۲) ایک سال کے لیے ملک بدر کر دینے کی سزا۔ سو کوڑے تو قرآن کریم سے ثابت ہیں لیکن زنا کی سزا میں ایک سال کے لیے ملک بدر کر دینے کا قرآن کریم نے کوئی تذکرہ نہیں فرمایا۔ امام شافعیؒ اور بعض دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ سو کوڑوں کے ساتھ ایک سال کے لیے ملک بدر کر دینا بھی اس حدیث کے مطابق ضروری ہے ..... لیکن فقہائے حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ زانی کو سو کوڑے مارے جائیں گے۔ ایک سال کے لیے ملک بدر کر دینا ضروری نہیں ہے۔ البتہ اگر سربراہِ مملکت سیاسۃً اور

تعزیراً ملک بدر کرنا ضروری سمجھے تو کرسکتا ہے مگر ملک بدر کر دینے کی یہ سزا حد نہیں ہے بلکہ تعزیر ہے۔ اس سلسلے میں فقہائے حنفیہؒ اور فقہائے شافعیہؒ میں ایک دوسرے کے خلاف جو اصولی بحثیں ہوئی ہیں وہ بڑی حد تک قابل دید ہیں۔ فقہائے حنفیہؒ کا خیال ہے کہ ایک سال تک ملک بدر کر دینا قرآن کی مقرر کردہ سزا میں اضافہ ہے اور قرآن پر زیادتی ایسی دلیل سے کی جاسکتی ہے جو اس کے ہم پلہ (خود قرآن کی آیت یا سنت متواترہ سے ثابت) ہو۔ خبر واحد سے قرآن پر اضافہ نہیں کیا جاسکتا، اس سلسلے میں ہم مولانا بدر عالم میرٹھی مرحوم (شاگرد حضرت مولانا اور شاہ کشمیریؒ محدث دارالعلوم دیوبند کا اقتباس ان کی کتاب البدر الساری الی فیض الباری سے پیش کر رہے ہیں۔ ''میں کہتا ہوں، ابن رشد نے کہا ہے کہ اس سلسلے میں حنفیہ کی بہترین دلیل ظاہر کتاب ہے، اور وہ ان کی اس رائے پر مبنی ہے کہ نص (قرآن کی صریح آیت) پر کسی قسم کی زیادتی کرنا، اسے منسوخ کر دینا ہے اور کتاب اللہ کے کسی حکم کو خبر واحد سے منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے حضرت عمرؓ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے حد جاری کی (کوڑے لگائے) اور ملک بدر نہیں کیا، الخ (بدایۃ المجتہد، جلد۲، صفحہ ۳۷۵)۔ شیخ ابن الہمام نے فتح القدیر میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے (جلد۴، صفحہ ۱۳۴) کہ ہماری دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد ''اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا'' ہے جو زنا کے ہی حکم کو بیان کر رہا ہے۔ تو وہاں جو کچھ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ اس کا پورا حکم ہے ورنہ یہ بیوقوف بنانے والی بات (تجہیل) ہوگی۔ کیونکہ اس سے سمجھا تو یہ جا رہا ہے کہ وہ زنا کا پورا حکم ہے لیکن فی الواقع وہ اس کا پورا حکم نہیں ہے تو یہ ایک چیز کا بیان شروع کر کے پوری بات بیان نہ کرنے سے بھی بدتر بات ہوگی کیونکہ اس سے تو آدمی جہل مرکب میں مبتلا ہوجائے گا جبکہ اس میں (یعنی بیان نہ کرنے) میں آدمی جہل بسیط (سادہ) ہی میں مبتلا رہتا۔ آیت سے مکمل سزا سمجھائی جا رہی ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ نے اسے شرط کی جزاء بنایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ واقعے میں سزا صرف یہی ہے۔ اگر اس کے ساتھ کوئی اور چیز بھی ثابت (شامل) ہوجائے تو وہ یقیناً اس کا معارض ہوگی کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ واقعی سزا صرف وہی نہیں ہے جو قرآن نے بیان کی تھی بلکہ قرآنی سزا کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حدیث تو اس بات کو ثابت کر رہی ہے (مثبت ہے) جس سے کتاب خاموش تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب اللہ پر زیادتی ہے اور خبر واحد سے قرآن پر اس طرح کی زیادتی ممنوع (ناجائز) ہوتی ہے۔

الزیادۃ علی القرآن

اس سلسلے میں کچھ لوگوں (مثلاً ابن حجر وغیرہ) نے جو یہ کہا ہے کہ خبر واحد سے قرآن پر زیادتی کرنا کسی ایسی چیز کا اثبات ہی تو ہوتا ہے جسے قرآن نے واجب نہیں کیا اور جو قرآن سے زائد ہے لہٰذا یہ بات ممنوع نہیں ہونی چاہیے ورنہ بیشمار سنتیں باطل ہوجائیں گی اور یہ کہ یہ بات قرآن کا نسخ نہیں ہے اس کا نام نسخ رکھ دینا محض ایک اصطلاحی بات ہے۔ چنانچہ متوفی عنہا زوجہا (جس کا شوہر مرگیا ہو) کی عدت میں قرآن نے تو صرف تَرَبَّصْ (انتظار کرتے رہنے) کا حکم دیا ہے (یعنی کسی دوسرے آدمی سے نکاح نہ کرے) لیکن خبر واحد سے اس حکم پر سوگ منانے (زیب و زینت ترک کردینے) کا بھی اضافہ ہے (لہٰذا اس میں کیا حرج ہے۔ اگر اس سے بھی منع کیا جائے تو بہت سی سنتیں چھوڑنی پڑیں گی) ..... تو معترض کا یہ قول فقہی اصطلاح کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے کیونکہ زیادت سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ کسی ایسی بات کا اضافہ کیا جائے جو قرآن سے نہ ثابت ہے نہ قرآن نے اس کی نفی کی ہے ایسا تو کوئی بھی عالم نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ کوئی عالم ایسی بات کہے بلکہ زیادت علی القرآن سے مراد، قرآن کے مطلق حکم کو خبر واحد سے مقید کرلینا ہے کیونکہ یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ اطلاق بے مقصد نہیں ہوتا۔ اس کا کوئی مقصد ہوا کرتا ہے۔ پھر معنوی اطلاق، لفظی اطلاق کی فرع ہے کیونکہ معنیٰ تو الفاظ ہی کے ہوتے ہیں۔ تو جب یہ معلوم ہوگیا کہ مطلق الفاظ لاکر متکلم کا مقصد یہ تھا کہ حکم کو مطلق رکھا جائے تاکہ وہ اپنے تمام افراد پر صادق آسکے۔ اب اگر آپ اس میں تقیید کرنا چاہتے ہیں، یعنی بعض افراد سے اس حکم کی نفی کرنا چاہتے جسے متکلم نے لفظی اطلاق سے ثابت کیا تھا۔ تو بلا شبہ یہ عمل نسخ ہے اور خبر واحد سے کتاب اللہ کا نسخ جائز نہیں ہے اور معترض کا یہ خیال کہ (متوفی عنہا زوجہا کی عدت میں) سوگ منانا، تَرَبُّصْ کے حکم پر اضافہ ہے کیونکہ سوگ منانے کے حکم سے تَرَبُّصْ کے حکم کی تقیید نہیں ہو رہی۔ اگر ایسا ہوتا تو عدت گزارنے والی عورت نے اگر انتظار تو کیا لیکن سوگ وغیرہ نہیں منایا اور اسی طرح عدت کی مدت گزر گئی تو اس کی عدت ہی پوری نہ ہونی چاہیے تھی حالانکہ ایسا نہیں ہے عورت کی عدت تو گزر جاتی ہے البتہ سوگ نہ منانے کی وجہ سے ایک واجب کو چھوڑ دینے سے وہ گنہگار ہوتی ہے کیونکہ حدیث نے قرآن پر کوئی اضافہ نہیں کیا بلکہ ایک دوسرے واجب کو ثابت کیا ہے۔ مطلق کتاب کے حکم کو مقید نہیں کیا۔

(جلد۴، صفحہ ۴۵۳، البدر الساری الی فیض الباری، شرح صحیح البخاری)

جلاوطنی کی سزا

''پھر شیخ (مولانا انور شاہ صاحبؒ) نے اس سے بحث فرمائی ہے کہ جلاوطنی کی سزا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں؟ اس باب کی روایات پر کلام کرنے کے بعد انھوں نے فرمایا ''حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے ثبوت میں حفاظ نے اختلاف کیا ہے لیکن حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے ملک بدر کرنے کی سزا میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ امام مالکؒ نے خود موطا میں ان دونوں حضرات سے یہ سزا نقل فرمائی ہے۔ رہ گئی ان کی روایت حضرت عثمانؓ سے تو مصنف ابن ابی شیبہ میں، ابن یسار مولیٰ عثمانؓ سے مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایک عورت کو زنا کے سلسلے میں کوڑے مارے پھر اسے اپنے ایک غلام کے ساتھ جس کا نام مہری تھا خیبر کی طرف بھیج دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اسے وہاں شہر بدر کردیا تھا۔ ہمارے نزدیک یہ تعزیر تھی جس طرح حضرت عمرؓ نے نصر ابن حجاج وغیرہ کو شہر بدر کردیا تھا کیونکہ اس کے حسن و جمال کی وجہ سے بعض عورتیں فتنے میں مبتلا ہو رہی تھیں .....

علامہ ماردینی نے فرمایا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ امام فتنہ پردازوں کو ملک بدر کردیا کرتا ہے ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ملک بدر فرمایا تھا جیسا کہ بیہقی نے ''بَابُ مَنْ قَتَلَ'' میں نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جس نے اپنے غلام کو قتل کردیا تھا ایک سال کے لیے ملک بدر کردیا تھا چونکہ حد قذف اور شراب نوشی میں ملک بدر کردینے کی سزا ہے ہی نہیں تو معلوم ہوگیا کہ اس کی فتنہ پردازی کی وجہ سے یہ محض تادیب (تعزیر) تھی (انتہی مختصرا، جلد۲، صفحہ ۱۷۴) میں (یعنی مولانا انور شاہ) کہتا ہوں کہ مجھے اس کی ایک نظیر ابوداؤد میں ابوہریرہؓ سے ملی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مخنث کو لایا گیا جس نے اپنے ہاتھوں پیروں پر مہندی لگائی ہوئی تھی تو آپؐ نے پوچھا اسے کیا ہوا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ عورتوں جیسا بناؤ سنگار کرتا ہے تو حضورؐ نے اسے بقیع کی طرف شہر بدر کرنے کا حکم دے دیا۔ تو شہر بدر کرنے کی سزا ہم زنا کے علاوہ دوسرے ابواب میں بھی پا رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے شراب نوشی میں شہر بدر کیا جیسا کہ شیخ ابن الہمام نے نقل کیا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام کے قاتل کو، جیسا کہ بیہقی نے بیان کیا ہے، اور مخنث کو شہر بدر کردیا تھا جیسا کہ ابوداؤد نے بیان کیا ہے، تو ہمیں معلوم ہوگیا کہ باب زنا سے اسے کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق تعزیر و سیاست کے باب سے ہے چونکہ زنا شدید ترین جرم ہے لہٰذا تعزیر اس میں زیادہ ضروری ہے۔ اس کے ساتھ عینی کا بھی مطالعہ کریں۔ (جلد۶،

صفحہ ۴۱۰) اس نے مزید کچھ باتیں بیان کی ہیں اور عمدہ بحث فرمائی ہے۔

میں (یعنی مولانا انور شاہ) کہتا ہوں کہ حافظ نے اسے نسائی کی طرف منسوب کیا ہے اس کے الفاظ مختصراً یہ ہیں کہ نسائی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں یُنْفیٰ عَامًا مَعَ اِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَيْهِ (اسے ایک سال کے لیے شہر بدر کر دیا جائے اور ساتھ ہی اس پر حد بھی قائم کر دی جائے) اس روایت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شہر بدر کر دینا تعزیر ہے اور وہ حد کا حصہ نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حدیثیں ایک دوسرے کی تفسیر کر دیتی ہیں اور عسیف (ملازم) والی روایت میں یہ تصریح آ گئی ہے کہ ''اس پر سو کوڑے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دینا ہے۔'' ..... میں (یعنی مولانا انور شاہ) کہتا ہوں کہ کیا عسیف (ملازم) والی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تصریح فرمادی ہے کہ شہر بدر کر دینا بھی حد میں شامل ہے؟ ایسا تو نہیں ہے یہ بات صحیح ہے کہ حدیثیں ایک دوسری کی تفسیر وتشریح کر دیتی ہیں۔ مگر آپ نسائی کی حدیث کی تفسیر عسیف (ملازم) والی حدیث سے کس دلیل سے کرتے ہیں عسیف والی حدیث کی تفسیر نسائی کی حدیث سے کیوں نہیں کرتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ شہر بدر کرنے کی سزا حد سے الگ ہی ہے جیسا کہ نسائی کی حدیث نے بتا دیا ہے۔

خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی

اور بظاہر یہ اختلاف ایک دوسرے اصولی اختلاف پر مبنی ہے کہ کتاب اللہ پر خبر واحد سے زیادتی کرنا کیسا ہے؟ اور اگر ایسی صورت پیش آجائے تو کیا کتاب اللہ، حدیث کو اپنے ساتھ ملا کر ایک ہی حکم کا فائدہ دیتی ہے یا وہ دو حکم الگ الگ ہوتے ہیں؟ یعنی ایک حکم کتاب اللہ کا اور دوسرا حکم حدیث کا۔ امام شافعیؒ قرآن و حدیث دونوں کو ملا کر ایک حکم مانتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ فَاقْرَؤُا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (جو آسانی سے ہوسکے قرآن پڑھ لو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں) کو ساتھ ملا کر ایک ہی حکم کا فائدہ دیتا ہے۔ چنانچہ شافعیہ فاتحہ کی رکنیت کے قائل ہیں۔ اور حنفیہؒ دوسرے قول کی طرف گئے ہیں چنانچہ انھوں نے دونوں کو اپنے اپنے مرتبے پر رکھا ہے یعنی قرآن کا درجہ اونچا ہے لہٰذا اس کے حکم کے مطابق مطلق قرأت رکن اور فرض ہے اور چونکہ حدیث اس سے کم درجے کی ہے اس لیے حدیث کی بناء پر فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ چنانچہ حنفیہ کے نزدیک اگر کسی نے قرآن کی کوئی بھی آیت پڑھ لی تو نماز کا فرض ادا ہوگیا اور نماز ہوگئی اور شافعیہؒ کے نزدیک اگر اس نے خصوصیت سے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو نماز کا فرض ادا نہیں ہوگا

لہٰذا نماز نہیں ہوئی۔

حنفیہؒ اور شافعیہؒ کے اس اصولی اختلاف کی دوسری نظیریں بھی ہیں۔ مثلاً حق تعالیٰ کا قول اِرْكَعُوا وَاسْجُدُوا (رکوع سجدہ کرو) شافعیہ کے نزدیک تعدیل ارکان کی احادیث کے ساتھ مل کر ایک حکم ہے چنانچہ ان کے نزدیک سکون و اطمینان کے ساتھ رکوع اور سجدہ کرنا فرض ہے اگر کسی نے سکون و اطمینان سے رکوع اور سجدہ نہیں کیا۔ تو اس نے فرض پورا نہیں کیا اور حنفیہ کے نزدیک قرآنی حکم ہونے کی بناء پر مطلق رکوع اور سجدہ کر لینا تو فرض ہے اور سکون و اطمینان کا ذکر چونکہ حدیث میں ہے اس لیے سکون و اطمینان کے ساتھ رکوع وسجدہ کرنا واجب ہوگا اگر کسی نے بغیر سکون و اطمینان کے جلدی جلدی رکوع وسجدہ کرلیا تو فرض تو ادا ہوگیا مگر واجب ادا نہیں ہوا۔ نماز ادا ہوگئی مگر ناقص رہی۔ اسی طرح قرآن کریم کا ارشاد ہے وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (اور اس نے اللہ کا نام لیا اور نماز پڑھی) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ (نماز کی تحریمہ تکبیر ہے) قرآن و حدیث کو ملا کر شافعیہؒ کے نزدیک نماز کی ابتداء اللہ اکبر کے لفظ سے کرنا فرض ہے۔ مگر حنفیہؒ کے ہاں قرآن مجید کی وجہ سے محض اللہ کا نام (کوئی سا نام) لینا تو فرض ہے اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہنا چونکہ حدیث میں ہے اس لیے واجب ہے ایسے ہی حق تعالیٰ کے ارشاد وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (اور بیت اللہ کا طواف کریں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اَلطَّوَافُ بِالْبَيْتِ صَلٰوةٌ (بیت اللہ کا طواف نماز ہے) کے ساتھ ملا کر شافعیہؒ کے نزدیک طواف بغیر طہارت (وضو اور غسل) کے نہیں ہوسکتا۔ مگر حنفیہؒ کے نزدیک دونوں حکم الگ الگ ہیں۔ بیت اللہ کا طواف کرنا تو فرض ہے اور طواف طہارت کے ساتھ کرنا واجب ہے لہٰذا بغیر وضو اور غسل کے کسی نے طواف کر لیا تو فرض ادا ہوگیا کیونکہ طہارت کے ساتھ طواف کرنا قرآنی حکم نہیں ہے۔ یہ صرف حدیث سے ثابت ہے لہٰذا طہارت کے بغیر طواف کیا جائے تو واجب چھوٹ گیا۔ طواف ناقص رہا، لہٰذا ایک قربانی دینی ہوگی۔

یہی صورت کوڑے مارنے اور شہر بدر کرنے کی بھی ہے کہ قرآن کریم نے شہر بدر کرنے کی سزا کا کوئی تذکرہ نہیں فرمایا۔ لہٰذا حد تو وہی ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے اور شہر بدر کرنا حدیث میں آیا ہے جو ایک امر زائد ہے لہٰذا ہم حنفیہ اسے قرآنی حد تو نہیں کہتے۔ اسے سیاست اور تعزیر پر محمول کرتے ہیں۔

دَر حقیقت احادیث کے سلسلے میں یہ باب بڑا وسیع ہے پھر حافظ ابن حجرؒ کو اس کا خود بھی احساس ہوا اور ان کے سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ سورۂ ''النور'' کی آیت کا شہر بدر کرنے کی سزا سے خالی ہونا مقام بیان میں، خود اس بات کا بیان ہے (کہ وہ حد قرآنی نہیں ہے) تو انھوں

نے اس کا جواب دینے کی کوشش فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سورۂ ''النور'' کی آیت کا شہر بدری کی سزا سے خالی ہونا اس کے ناجائز ہونے کی دلیل تو نہیں ہے جیسا کہ سورۂ ''النور'' کی آیت کا رجم کی سزا سے خالی ہونا رجم کے ناجائز ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ (خود حنفیہؒ رجم کی سزا پر عمل کرتے ہیں اور اسے نہ صرف یہ کہ جائز سمجھتے ہیں بلکہ اسے حد قرآنی تسلیم کرتے ہیں، تو پھر وہ کس منہ سے شہر بدر کرنے کی سزا کا انکار کرتے اور اسے حد قرآنی قرار دینے سے انحراف فرماتے ہیں) کیونکہ قوی ترین دلائل میں سے یہ بات ہے کہ عسیف (یعنی ملازم) کا قصہ آیت نور کے نازل ہونے کے بعد کا ہے الخ۔ اس کے جواب میں، میں (یعنی حضرت مولانا انور شاہ) کہتا ہوں کہ علامہ حافظ ابن حجرؒ نے رجم کے سلسلے میں جو کچھ گوہر افشانی فرمائی ہے اسے ہم تسلیم نہیں کرتے کہ آیت اس سے خالی ہے رجم کے حکم اور شہر بدر کرنے کے حکم میں بڑا فرق ہے شافعیہؒ بھی کوڑے مارنے کی سزا کے ساتھ شہر بدر کرنے کے حکم کے قائل ہیں مگر کوڑے مارنے کے ساتھ ساتھ رجم کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ پھر رجم تو خود کتاب اللہ اور اجماع سے ثابت ہے جیسا کہ بخاری کی متعدد حدیثوں میں بیان ہو چکا ہے اور صحابہ نے اس پر بحث کی ہے حتیٰ کہ ان کے نزدیک واضح ہوگیا کہ یہ ایک حق ثابت ہے اور اگر لوگوں کا اندیشہ نہ ہوتا تو حضرت عمرؓ قرآن کے آخر میں رجم کا حکم درج کر دیتے۔ رجم کی سزا اور شہر بدر کرنے کی سزا میں کیا مقابلہ ہوسکتا ہے۔ رجم کے مقابلے میں شہر بدر کرنے کی سزا کی کیا اہمیت ہے؟ رہ گئی یہ بات کہ عسیف (ملازم) کا قصہ سورۂ نور کی آیت کے بعد کا ہے تو اس میں شافعیہؒ کے لیے کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ عسیف (ملازم) کا قصہ قرآن کا ناسخ نہیں ہوسکتا۔ جب ہم نے شہر بدر کرنے کی سزا کو سیاست (تعزیر) پر محمول کر لیا ہے تو منسوخ ماننے کی ضرورت کیا رہی اور باوجود تطبیق اور توفیق کا طریقہ واضح ہونے کے نسخ کا قائل ہونا بعید تر ہے۔ (ایضاً جلد۴، صفحہ ۴۰۴۔۴۰۵، البدر الساری الی فیض الباری، ناشر مجلس علمی، ٹاور، کراچی)

خلاصۂ بحث

البدر الساری کا طویل اقتباس ہم نے اس لیے بیان کیا ہے تاکہ فقہائے حنفیہؒ اور شافعیہؒ کی باہمی بحث کے تمام گوشے سامنے آجائیں جو ایک سال کے لیے شہر بدر کر دینے کے سلسلے میں ان کے درمیان ہوئی ہے اس بحث سے جو نکات ہمارے سامنے آئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا قرآن حکیم کا حکم ہے جس میں فَاجْلِدُوْا شرط کی جزاء

ہے۔ یعنی عبارت ترکیب عربی کے اعتبار سے یوں بنتی ہے ''اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي اِذَا زَنَيَا فَاجْلِدُوْا'' (زنا کار عورت اور مرد جب زنا کے مرتکب ہوں تو ان کے کوڑے مارو) شرط و جزاء کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ کسی بھی مرد و عورت سے زنا کا صدور ہوجائے تو اس کا پورا حکم یہ ہے کہ انھیں کوڑے مارے جائیں۔

(۲) اگر یہ پورا حکم نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے انداز بیان تو وہ اختیار فرمایا جس سے معلوم ہو کہ جرم کی پوری سزا یہ ہے لیکن پورا حکم بیان نہیں فرمایا۔ ایک ناقص حکم کو پورا حکم باور کرانے کی کوشش فرمائی گئی ہے جس کی وجہ قرآن کریم کے انداز بیان کی (معاذ اللہ) کوتاہی ہے۔ گویا ہم اس طرح جہل مرکب میں مبتلا ہو رہے ہیں کہ اگرچہ ہمیں پورا حکم نہیں بتایا گیا لیکن ہم اسے پورا حکم باور کریں۔ اسی کو تو جہل مرکب کہتے ہیں۔ اس سے تو بہتر ہوتا کہ حق تعالیٰ زانیہ اور زانی کا کوئی حکم بیان ہی نہ فرماتے تو ہم کوئی حکم ہی نہ سمجھتے اور ہمارا تصور بھی یہی ہوتا کہ ہمیں اس کا حکم معلوم نہیں ہے اس طرح ہم جہل بسیط ہی میں مبتلا رہتے۔ جہل بسیط (سادہ جہل) میں مبتلا رہنا، جہل مرکب میں مبتلا رہنے سے بدرجہا بہتر ہے۔

(۳) جب آیت قرآنی نے زنا کا پورا حکم بیان فرما دیا ہے تو اس سزا میں مزید اضافہ کرنا یا قیدیں لگا کر اسے مقید کرنا، دراصل اس بیان کی اکملیت کو ختم کرنے اور حکم کے اطلاق کو مقید کر کے اس کے اطلاق کو منسوخ کرنے کے مترادف ہے اور خبر واحد سے کتاب اللہ کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا قرآن کریم کے پورے حکم (کوڑے مارنے) پر ایک سال کے لیے شہر بدر یا ملک بدر کرنے کی سزا کا اضافہ کرنے کے معنے یہ ہیں کہ ہم قرآن کریم کے حکم کی اکملیت کو منسوخ کر رہے ہیں۔ اور منسوخ خبر واحد سے کر رہے ہیں جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

(۴) یہ کہنا غلط ہے کہ ہم قرآنی حکم پر کوئی اضافہ نہیں کرتے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قرآن کا حکم تو اپنی جگہ مسلم رہتا ہے لیکن حدیث سے ہم ایک نیا حکم ثابت کرتے ہیں جس سے قرآن خاموش ہے کیونکہ قرآن کے حکم کی اکملیت کے معنے ہی یہ ہیں کہ اب اس حکم میں کوئی دوسری بات باقی نہیں رہی، آپ اس میں کسی نئی بات کا اضافہ کر کے قرآن کریم کے اس دعوے کی کہ اب اس میں کوئی نئی بات باقی نہیں رہی، نفی کر دیتے ہیں لہٰذا یہ حکم کوئی الگ مستقل حکم نہیں ہے بلکہ قرآنی حکم کو ناقص ثابت کر کے اس کی تکمیل کرنے کا ادّعا ہے جو قطعاً قرآن پر اضافہ کرنے کے مترادف ہے۔ یہ

تو وہ اعتراض تھے جو احناف نے شوافع کے اس فیصلے پر کہ ''جلاوطنی بھی حد ہے'' کیے تھے مگر خود احناف نے بھی شوافع جیسی ایک غلطی کی ہے۔ جس کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

شیخ ابوزہرہ کا اعتراض

(۵) جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں علامہ شیخ ابوزہرہ مصری فرماتے ہیں کہ جب حنفیہؒ کا یہ اصول ہے کہ اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوا قرآن کی پوری سزا ہے جس پر نہ اضافہ کیا جاسکتا ہے نہ اس کے اطلاق کو خبر واحد سے مقید کیا جاسکتا ہے اور اسی وجہ سے آپ ایک سال کے لیے شہر بدر کر دینے کی سزا کو تسلیم نہیں فرماتے کہ اس سے قرآن کریم پر اضافہ لازم آتا ہے تو دوسری طرف آپ قرآن کے مطلق حکم کو غیر شادی شدہ زانیہ اور زانی سے مقید کر کے شادی شدہ زانیہ اور زانی کے لیے رجم کا اثبات کیسے کرتے ہیں؟ مطلق حکم کو مقید کرنا اور اس میں سے شادی شدہ زناکاروں کے لیے قرآنی سزا کے برخلاف دوسری سزا (رجم) کو مقرر کرنا بھی تو قرآنی حکم کو منسوخ کرنا ہے آپ کو اس کا حق رجم کے سلسلے میں کہاں سے مل گیا ہے۔ جو جوابات آپ شافعیہؒ کو دیتے ہیں وہی جوابات رجم کے سلسلے میں آپ کو دیے جاسکتے ہیں۔

(۶) صاحبِ البدر الساری نے جہاں حنفیہؒ کے اس اصولی اختلاف کی نشان دہی فرمائی ہے کہ اگر قرآن کریم میں کوئی حکم مطلق صادر ہو رہا ہو اور خبر واحد میں کوئی ایسی بات آ رہی ہو جو قرآن کے مطلق حکم کو مقید کر رہی ہو تو شافعیہؒ تو قرآنی حکم کو خبر واحد سے ثابت شدہ تخصیصی حکم کے ساتھ ملا کر ایک حکم قرار دیتے ہیں۔ اور قرآنی اطلاق کو مقید کر لیتے ہیں لیکن حنفیہؒ اس کے قائل نہیں ہیں۔ وہ دونوں احکام کو الگ الگ رکھتے ہیں اور فرق مراتب کے لحاظ سے قرآنی حکم کو فرض اور خبر واحد سے ثابت شدہ حکم کو واجب وغیرہ قرار دیتے ہیں۔ وہ خبر واحد سے قرآنی حکم کی تخصیص یا تقیید نہیں کرتے۔ وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ حنفیہؒ کے نزدیک زنا کے سلسلے میں اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کے قرآنی حکم کے مطابق زناکار کو صرف کوڑے مارنا ہی حد قرآنی ہے اور اسے زائد بات یعنی ایک سال کے لیے ملک بدر کرنے کی سزا کو جو خبر واحد سے ثابت ہے حنفیہ حد قرار نہیں دیتے بلکہ سیاست پر محمول کر کے اسے تعزیر قرار دیتے ہیں ہم عرض کرتے ہیں بعینہٖ یہی صورت ''رجم'' میں بھی ہے (جیسا کہ شیخ ابوزہرہ وغیرہ نے بھی کہا ہے) حنفیہ

کو اختیار فرمانی چاہیے تھی کہ کوڑے مارنا تو حد قرآنی تسلیم کی جاتی اور رجم کو سیاست پر محمول کر کے تعزیر کہا جاتا جیسا کہ ہم مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور دیگر اکابرین مصر کے اقوال پیش کر چکے ہیں☆۔

(۷) اسی بحث کے دوران صاحبِ البدر الساری نے حافظ ابن حجر کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ انھیں بحث کی نزاکت کا احساس ہوا ہے اور انھوں نے یہ محسوس فرما لیا ہے کہ سورۂ النور کی آیت کریمہ کا شہر بدر کرنے کی سزا سے خالی ہونا مقام بیان میں خود اس بات کا بیان ہے کہ وہ حد قرآنی نہیں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کے پاس اس مشکل کا حل کوئی نہیں تھا۔ لہٰذا انھوں نے رجم کی آڑ میں شافعیہؒ کے لیے جائے پناہ تلاش کی کہ رجم کا بھی تو آیت النور میں ذکر نہیں ہے۔ رجم کے سلسلے میں کوئی (حنفی) نہیں کہتا کہ موضع بیان میں قرآن کا اس سزا کو بیان نہ کرنا حد قرآنی نہ ہونے کی دلیل ہے تو سال بھر کے لیے شہر بدر کرنے کی سزا کو کس طرح غیر قرآنی حد بتایا جا رہا ہے۔ ابن حجرؒ کا یہ الزام در حقیقت حنفیہؒ پر ایک شدید الزام تھا۔ لہٰذا صاحبِ البدالساری بڑی عمدہ بحث کرتے کرتے اپنی ڈگر سے ہٹ گئے اور بخاری کی حدیثوں کے حوالے سے منسوخ التلاوت آیت پیش کر کے رجم کی سزا کو حد قرآنی ثابت کرنے لگے۔ جو ظاہر ہے کہ کسی طرح صحیح نہیں ہے گزشتہ صفحات میں ہم بڑی تفصیل سے ثابت کر چکے کہ یہ حد قرآنی نہیں ہے اور آگے بھی اس مصنوعی آیت رجم کی حقیقت واضح کریں گے۔ سورۂ نساء کی آیت ۲۵/۴ کے بعد اس طرح کی باتیں سوچنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اس کا احناف کی طرف سے صحیح جواب وہی تھا جو جلاوطنی کی سزا کے متعلق انھوں نے فرمایا تھا کہ یہ اصلی حد نہیں ثانوی حد ہے۔

رجم پر اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں

اب ہم پھر علامہ علی علی منصور کی کتاب (نظام التجریم والعقاب فی الاسلام) کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مصنف موصوف نے اپنی بحث میں فرمایا ہے کہ فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۱۵، ص ۱۲۷ میں رجم کی بعض احادیث نقل کر کے حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ''صحابہ اور ائمہ فقہاء نے اس بات پر اتفاق (اجماع) کیا ہے کہ شادی شدہ آدمی جب جان بوجھ کر اپنے اختیار

☆ مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے رجم کو ثانوی سزا قرار دیا تھا جس کا حاصل بھی یہی ہے۔ نیز علامہ ابوزہرہ مصری، علامہ علی علی منصور، علامہ مصطفیٰ زرقاء، علامہ شیخ محمد شلتوت شیخ عبدالوہاب خلاف وغیرہ کے اقوال ہم پہلے پیش کر چکے ہیں۔ جن کا حاصل بھی یہی ہے۔ (مؤلف)

و ارادے سے زنا کا ارتکاب کرے تو اس پر رجم ہے لیکن اس بات پر خوارج اور بعض معتزلہ نے اعتراض کیا اور اسے رد کر دیا ہے اور انھوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ رجم کا کوئی ذکر قرآن میں نہیں آیا اور قاضی ابن العربی مالکی نے اہل مغرب کی ایک جماعت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔ (نظام التجریم والعقاب فی الاسلام، جلد۱، ۱۷۶۔۱۷۷)

پھر اس سے اور آگے چل کر بعض فقہاء کے اس قول کے جواب میں کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس پر اجماع (سکوتی) ہوگیا تھا کہ شادی شدہ زانی کو رجم کیا جائے گا۔ علامہ آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی کے حوالے سے مصنف نے لکھا ہے کہ علامہ آلوسی اپنی تفسیر قرآن کی اٹھارویں جلد صفحہ ۷۱ پر رقم طراز ہیں کہ ''اس دعوے کو یہ بات رد کر دیتی ہے کہ اجماع سکوتی کا حجت ہونا خود ایک ایسا امر ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے اور ہم یہ یقین نہیں کر سکتے کہ صحابہ میں سے تمام مجتہدین صحابہ اس وقت حاضر تھے پھر اس میں بھی شک نہیں کہ خطبۂ حضرت عمرؓ کی خبر ظنی ہے (وہ خبر واحد ہے) اور دلیل ظنی فقہی اعتبار سے بلاشبہ صدق اور کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہے کہ جن لوگوں نے اسے حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے وہ سچ بول رہے ہیں یا جھوٹ۔ اس کے برعکس قطعی دلیل اس بارے میں کتاب اللہ میں اپنے الفاظ کے اعتبار سے بالکل صریح ہے جس میں دو معنوں کا احتمال نہیں ہے۔ یعنی آیت اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا الآیہ علامہ الوسی کا قول نقل فرمانے کے بعد مصنف فرماتے ہیں کہ ''یہ تو آلوسی کا قول ہے مزید ایسا دعوائے اجماع کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ فتنۂ ارتداد کی جنگوں میں حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں بیشمار حضرات صحابہؓ شہید ہو چکے تھے اور یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ قرآن کو لکھ کر جمع کر لیا جائے۔ نیز جیسا کہ مشہور ہے، صحابہؓ کی بڑی اکثریت حضرت عثمانؓ کے عہد میں دین الٰہی کی نشر و اشاعت کی راہ میں مصروف جہاد تھی۔ چنانچہ حکومت کسریٰ کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑی گئی اور مملکت ایران پر غلبہ حاصل کیا گیا، ایسے ہی بیت المقدس، فلسطین اور شام کو فتح کیا گیا حتیٰ کہ روما کے مشرقی مقبوضات فتح کر لیے گئے۔ اس طرح مدینہ منورہ میں حضرت عمرؓ کے پاس صرف تھوڑے سے صحابہ رہ گئے تھے۔ اس سے بھی رجم پر اجماع کا دعویٰ کمزور ہو جاتا ہے جسے اکثر فقہاء مثلاً ابن قدامہ نے مغنی میں اور شوکانی نے نیل الاوطار میں اور ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں نقل کر دیا ہے۔ (ایضاً جلد۱، صفحہ ۱۷۹)

پاکستان کے اکابرین

حافظ ابن حجرؒ کے دعوائے اجماع کے سلسلے میں علامہ علی علی منصور کی تصریحات نیز

علامہ آلوسیؒ کا بیان آپ نے پڑھ لیا ہے واقعۃً مسئلے کی وضاحت کے لیے یہ تصریحات بہت کافی تھیں لیکن پچھلے دنوں وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد نے جو یہ فیصلہ صادر فرما دیا کہ رجم قرآنی حد نہیں ہے اس وقت سے ملک کے مقتدر اخبارات میں بعض ممتاز علمائے دین کے نام سے جن میں سے اکثر آج اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ بڑی بحث کھڑی کر دی گئی ہے ان مرحوم علماء کے نام سے مضامین شائع کرنے والوں نے عوام کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں چند مخصوص اصطلاحات سے مرعوب کر کے گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے اس لیے اس موضوع پر مجھے ذرا سیر حاصل تبصرہ کر دینے کی ضرورت ہے اس وقت میرے سامنے تین اخباری مضامین ہیں۔ اوّل روزنامہ جسارت بابتہ ۱۵/ اپریل ۱۹۸۱ء میں محترم ملک غلام علی صاحب کا مضمون ''رجم'' کا حد ہونا سنت متواترہ سے بلا شک و شبہ ثابت ہے۔ ملک غلام علی صاحب کو جسارت والوں نے مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کا معاون خصوصی بتایا ہے۔ دوسرا مضمون روزنامہ ''جنگ'' مؤرّخہ ۱۷/ اپریل ۱۹۸۱ء میں جناب مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے ''رجم'' کا اثبات دلائل قطعیہ سے شائع ہوا ہے۔ تیسرا مضمون پھر روزنامہ جسارت مؤرّخہ ۲۵/ اپریل ۱۹۸۱ء میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے نام سے ''اسلام میں حد رجم کا ماخذ، سنت ثابتہ'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔

ان تینوں حضرات نے اپنے اپنے مضامین میں زیادہ تر زور جن باتوں پر دیا ہے وہ دو ہی باتیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ رجم کی سزا سنت متواترہ سے ثابت ہے اور دوسرے یہ کہ اس پر ہمیشہ سے امت کا اجماع رہا ہے کہ زانی اور زانیہ اگر شادی شدہ ہوں تو ان کو سنگسار کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ اگر کسی نے کچھ کہا ہے تو وہ وہی ہے جس کا جواب ہم بار بار دے چکے ہیں۔ ہمیں یہاں انھی دو امور سے بحث کرنی ہے۔

سنت متواترہ کا دعویٰ

ان تینوں بزرگوں نے جو دیانت و امانت کا معیار قائم فرمایا ہے اسے دیکھ کر خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے۔ محترم ملک غلام علی صاحب نے تو پوری ڈھٹائی کے ساتھ یہ دعویٰ فرما دیا ہے کہ ''رجم سنت متواترہ سے ثابت ہے'' ان کی خدمت میں بڑے ادب کے ساتھ گزارش ہے کہ اگر وہ اصول حدیث اور اصول فقہ کی کوئی ابتدائی کتاب بھی ملاحظہ فرما لیتے تو اتنے بڑے دعوے کی جرأت نہ فرماتے حنفی اصول فقہ کی مستند ترین کتاب اصول بزدوی میں حدیث رجم کو غیر متواتر بتایا ہے اور کہا ہے کہ اس کا منکر کافر نہیں ہے۔ (صفحہ ۱۵۱، باب المشہور

من الاخبار، مطبوعہ نور محمد آرام باغ، کراچی)۔

ملک صاحب کی معلومات کے لیے متواتر اور غیر متواتر کی تعریف درس نظامی کی درسی مستند و معروف کتاب ''نورالانوار'' سے پیش کرتا ہوں۔ ''متواتر وہ حدیث ہے جسے ایک قوم نے روایت کیا ہو جس کی تعداد شمار نہ کی جاسکے اور اپنی کثرت کی وجہ سے ان کا جھوٹ پر متفق ہوجانے کا وہم بھی نہ کیا جاسکے وہ سب مختلف جگہوں کے رہنے والے ہوں اور ثقہ ہوں۔ ان میں تعداد کا تعین ضروری نہیں ہے جیسا کہ کہہ دیا گیا ہے کہ وہ سات ہوں، چالیس ہوں، ستر ہوں بلکہ ہر وہ تعداد جس سے بدیہی علم حاصل ہوجائے تواتر کی نشانی ہے اور یہ تواتر ہر دور میں قائم رہے اس کا آخر اوّل کی طرح، اور اس کا اوّل آخر کی طرح ہو، اور اس کا اوسط بھی اس کے طرفین کی طرح ہو یعنی ہر وقت اس کو نقل کرنے والے لاتعداد ہوں۔ جہاں سے حدیث پیدا ہوئی اور آخر تک جہاں تک پہنچی، ہر عہد میں نقل کرنے والے یکساں ہوں۔ اوّل تو خبر کے ظاہر ہونے کا زمانہ ہے اور آخر ہر نقل کرنے والے کا وہ زمانہ ہے جسے وہ آخر سمجھتا ہو اگر شروع میں ایسا نہ ہو تو وہ اصل کے اعتبار سے خبر واحد ہوگی اگر درمیان میں اور آخر میں پہنچ کر وہ شہرت پاگئی ہو تو اس کا نام مشہور رکھ دیتے ہیں، اگر درمیان میں اور آخر میں ایسی نہ ہو تو اسے منقطع کہتے ہیں۔ قرآن کو نقل کرنا اور پانچ نمازوں کا وجود مطلق متواتر کی مثالیں ہیں، سنت متواترہ کی مثالیں نہیں ہیں کیونکہ سنت متواترہ کے وجود میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سنت متواترہ کا کوئی وجود ہی نہیں اور کہا جاتا ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ سنتِ متواترہ ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ سنت متواترہ ہے اس سے علم یقین حاصل ہوتا ہے جیسا کہ مشاہدے سے بدیہی علم۔ (نورالانوار، صفحہ ۱۸۰، مطبوعہ مطبع سعیدی، کراچی) نیز ملاحظہ فرمایئے شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی کی تالیف (''قواعد فی علوم الحدیث، صفحہ ۳۱۔۳۲، مطبوعہ مکتبۃ النہضہ، حلب، شام) نیز ملاحظہ فرمایئے سوانح امام احمد ابن حنبلؒ مؤلفہ علامہ شیخ محمد ابوزہرہ، پروفیسر قوانین اسلام لاء کالج، فواد یونیورسٹی، مصر۔ (صفحہ ۳۲۹، اردو ترجمہ مکتبہ سلفیہ، لاہور)

خود محدثین کو اس بات کا اعتراف ہے کہ رجم کی احادیث متواتر نہیں ہیں بلکہ صرف خبر واحد یا مشہور ہیں، انھوں نے اس کی تصریحات بھی فرمائی ہیں کہ رجم کے منکر کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ چنانچہ جیسا کہ ہم پہلے بتاچکے ہیں بعض معتزلہ، تمام خوارج بعض زیدی شیعہ اور بعض اہل مغرب (مغاربہ) نے رجم کا انکار کر دیا تھا اور مسلمانوں کے کسی مکتبۂ فکر نے اس بناء پر ان کی تکفیر نہیں فرمائی۔ یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے تمام مکاتیب فکر نے رجم کی

احادیث کو متفقہ طور پر متواتر نہیں مانا بلکہ خبر واحد یا مشہور ہی مانا ہے۔ حیرت ہے کہ ملک غلام علی صاحب نے علماء و فقہائے اسلام کے برخلاف رجم کے حد ہونے کا سنت متواترہ سے ثابت ہونے کا کس طرح اعلان فرما دیا۔ نیز حیرت بالائے حیرت ہے کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے نام سے ان کے متبعین نے رجم کا اثبات دلائل قطعیہ سے ہونے کا دعویٰ کس طرح فرما دیا۔ خبر واحد یا سنت مشہورہ دلیل قطعی نہیں ہوتی۔ امت میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں رہا۔ اصول بزدوی کی توضیحات کو دیکھتے ہوئے کم از کم احناف کو تو یہ دعویٰ زیب نہیں دیتا۔ حضرت مفتی صاحب کے نام سے ایسا دعویٰ کر دینا حضرت مفتی صاحبؒ کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش ہی کہا جاسکتا ہے۔

سنت مشہورہ سے کتاب اللہ پر زیادت

علمائے حنفیہ نے اصول فقہ میں یہ بحث کی ہے کہ سنت مشہورہ سے کتاب اللہ پر زیادتی کی جاسکتی ہے البتہ کتاب اللہ کے حکم کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ صاحب نورالانوار لکھتے ہیں ''یا سنت میں ایسا اتصال ہو کہ اس میں صورۃً شبہ کی گنجائش ہو۔ یہ ایسی احادیث ہوتی ہیں جو اپنی اصل کے اعتبار سے خبر واحد ہوتی ہیں، یعنی قرنِ اوّل میں جو قرنِ صحابہ کہلاتا ہے ان کا درجہ خبر واحد ہی کا ہوتا ہے مگر بعد میں وہ حدیث پھیل جاتی ہے حتیٰ کہ اسے ایک قوم نقل کرنے لگتی ہے جن کا جھوٹ پر ایکا کر لینے کا وہم نہ کیا جاسکے یہ قرن ثانی اور بعد کے قرون ہوتے ہیں یعنی تابعین اور تبع تابعین کا عہد۔ اس کے بعد حدیث کے مشہور ہوجانے کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ عام اخبار آحاد اس زمانہ میں تو مشہور ہو ہی گئی ہیں اور کوئی خبر واحد نہیں رہی اس خبر مشہور سے اطمینان قلب حاصل ہوسکتا ہے۔ یعنی ایسا اطمینان جو صرف جہت صدق کو ترجیح دے سکے۔ یہ سنت مشہورہ متواترہ سے کم اور خبر واحد سے زیادہ ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کے ذریعے سے کتاب اللہ پر زیادتی کی جاسکتی ہے (کہ مطلق کتاب کو خبر مشہور سے مقید کرلیا جائے جیسے کفارۂ قسم کے روزوں میں لگاتار کی قید لگا دینا کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت میں ''متتابعاتٍ'' کا اضافہ آ گیا ہے۔ یہ حدیث معناً متواتر کی طرح ہوتی ہے کیونکہ دونوں قرنوں (قرن تابعین و قرن تبع تابعین) میں وہ حدیث مقبول ہوچکی ہے لیکن ایسی حدیث سے نظم قرآن کا نسخ جائز نہیں ہے (کیونکہ اس کا درجہ قرآن سے صورۃً کم تر ہے اور صورۃً اس میں شبہے کی گنجائش ہے۔ (محشی) اور اس کے منکر کی تکفیر نہیں کی جاسکتی البتہ اسے گمراہ کہا جاسکتا ہے صحیح قول یہی ہے۔ (نورالانوار، صفحہ ۱۸۰)

اس تصریح سے معلوم ہوگیا کہ حنفیہ کے نزدیک بھی خبر مشہور اپنی اصل کے اعتبار سے خبر واحد ہی ہوتی ہے اور صحابہ و تابعین کے عہد میں وہ خبر واحد ہی رہتی ہے لیکن پھر تابعین یا تبع تابعین کے عہد میں وہ پھیل جاتی اور مشہور ہوجاتی ہے یہ مفید یقین نہیں ہوتی بلکہ اطمینانِ قلب کے لیے مفید ہوتی ہے یعنی صدق و کذب کا احتمال اس میں بھی ہوتا ہے البتہ اسے گمراہ کہا جاسکتا ہے اس قسم کی احادیث سے ہمارے فقہائے حنفیہ قرآن کریم پر زیادت کر لینے کے قائل ہیں، یعنی قرآن کریم کے مطلق حکم کو اس سے مقید کر لینا جائز سمجھتے ہیں لیکن اس سے بھی قرآن کا نسخ جائز نہیں ہے۔

زیادت اور نسخ

زنا کے سلسلے میں ایک سال تک ملک بدر کر دینے کی (عسیف یعنی ملازم والی) حدیث جو فقہائے شافعیہ اور حنفیہ میں موضوع بحث و نزاع رہی ہے۔ اس کا خلاصہ ہم البدر الساری الی فیض الباری سے نقل کر چکے ہیں اور وہاں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ملک بدر کرنے کی سزا کو فقہائے شافعیہؒ زیادت علی الکتاب قرار دے رہے ہیں۔ اور ان کے نزدیک کتاب اللہ پر زیادتی خبر واحد سے بھی ہوسکتی ہے جبکہ فقہائے حنفیہ اسی کو نسخ سے تعبیر فرما رہے ہیں کیونکہ قرآن نے کوڑے مارنے کی سزا کو زنا کی پوری سزا بتایا ہے اس پر اگر ایک سال تک ملک بدر کرنے کی سزا کا اضافہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے جو کوڑے مارنے کی سزا کو پوری سزا بتایا تھا اسے ہم عسیف (ملازم) والی روایت سے منسوخ کر دیتے ہیں کہ یہ پوری سزا نہیں ہے بلکہ سزا کا ایک حصہ اس کے علاوہ بھی ہے اور اسی کو نسخ کہتے ہیں جو خبر واحد اور خبر مشہور سے ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے لہٰذا بات یوں ہوئی کہ جہاں ہمارے فقہاء نے حدیث کو قبول کر لیا ہو وہاں تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ زیادت علی الکتاب ہے اور یہ حدیث مشہور سے جائز ہے اور جہاں کسی حدیث کو فقہاء نے قبول نہیں کیا وہاں یہ عذر پیش کر دیتے ہیں کہ جناب زیادت علی الکتاب تو نسخ ہے اور نسخ تو خبر واحد سے کیا خبر مشہور سے بھی جائز نہیں ہے اس طرح وہ ایک ہی عمل کو جہاں چاہیں زیادت علی الکتاب کہہ دیتے ہیں اور جہاں چاہیں نسخ کہہ دیتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں افسوس ہے کہ ہم اس کی تائید نہیں کرسکتے۔ یا تو نسخ اور زیادت دونوں کا جواز تسلیم کیا جانا چاہیے یا دونوں کے عدم جواز پر اصرار کرنا چاہیے۔

خبر مشہور سے زیادت

دوسری بات یہ ہے کہ خبر مشہور اصل کے اعتبار سے خبر واحد ہی ہوتی ہے یعنی عہد صحابہ و تابعین میں اس کے نقل کرنے والے صرف چند لوگ ہوتے ہیں البتہ بعد میں وہ شہرت حاصل کر کے مشہور ہوجاتی ہے۔ لہٰذا فقہائے حنفیہ نے خبر متواتر اور واحد کے درمیان خبر مشہور کا بھی ایک درجہ رکھ دیا ہے یہ صرف فقہائے حنفیہ ہی کا قول ہے۔ شافعیہ اور حنبلیہ اور مالکیہ صرف خبر واحد اور خبر متواتر کے قائل ہیں خبر مشہور ان کے ہاں کوئی چیز نہیں اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ صحابۂ کرام سب کے سب عدول اور ثقہ ہیں اور زیادہ تر تابعین بھی۔ اس کے بعد اس حدیث کو تابعین یا تبع تابعین ہی کے عہد میں شہرت حاصل ہوجاتی ہے اور اسے ایک جم غفیر نقل کرنے لگتا ہے لہٰذا وہ یقین سے قریب تر ہوجاتی ہے۔ لہٰذا حضرات حنفیہؒ نے فرما دیا ہے کہ ایسی خبر سے کتاب اللہ پر زیادتی کی جاسکتی ہے لیکن ہمیں اس سے اختلاف ہے حضرات صحابہ کا عدول اور ثقہ ہونا مسلم ہے مگر ہم انھیں معصوم عن الخطاء تو نہیں سمجھتے۔ بات کو سمجھنے میں اجتہادی غلطی ان سے بھی ہوسکتی ہے کتب احادیث میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ خود صحابۂ کرام نے دوسرے صحابہ کی احادیث کا انکار کر دیا ہے اور ان پر تنقید فرمائی ہے لہٰذا صحابی کی بیان کردہ کوئی حدیث لازماً صحیح ہی نہیں ہوتی۔ لہٰذا حدیث مشہور جو صحابہ کے دور میں خبر واحد تھی اسے محض اس وجہ سے کہ تمام صحابہ عدول ہوتے ہیں تمام فقہاء اور محدثین کے برخلاف حدیث کی ایک مستقل تیسری قسم یعنی مشہور سنت کی اصطلاح وضع کر ڈالنا اور اسے اس قابل بھی سمجھ لینا کہ اس سے کتاب اللہ پر زیادتی کی جاسکے۔ ہمیں خود اصول احناف کے خلاف نظر آتا ہے۔ کتاب اللہ کا نسخ جیسا کہ حدیث متواتر ہی سے ہوسکتا ہے۔ اسی طرح اس کے اطلاق کی تقیید اور اس کے عام کی تخصیص بھی صرف حدیث متواتر ہی سے ہونی چاہیے اور ہم اس سے پہلے بتا چکے ہیں کہ احادیث متواترہ کا وجود ہی محدثین و فقہاء نے تسلیم نہیں فرمایا اس لیے اصول یہ ہونا چاہیے کہ کتاب اللہ کا نسخ اور کتاب اللہ پر مستقل زیادتی قطعاً ممنوع ہے۔ ہم شافعیہؒ، حنابلہؒ اور مالکیہؒ کے اس خیال کی تائید کرتے ہیں کہ احادیث صرف دو طرح کی ہوتی ہیں خبر متواتر اور خبر واحد۔ ان دونوں کے درمیان حدیث مشہور کے نام سے کوئی تیسری قسم نہیں ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے نام سے جو مضمون شائع کیا گیا ہے اس میں ان صحابۂ کرام کی فہرست دے دی گئی ہے جن سے رجم کی روایت ثابت ہے۔ وہ صحیح، سقیم، ضعیف سندات سے سب ملا کر کل پینتیس نام ہیں۔ ان تمام ناموں کے گنانے سے غالباً مقصود

یہ ہے کہ عوام کو مرعوب کیا جائے کہ پینتیس صحابہ کرام سے رجم کا حکم مروی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث متواتر ہوگئی اور ثابت ہوگیا کہ ''رجم کا اثبات دلائل قطعیہ سے'' ہے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ بات خود علمائے احناف کے خلاف ہے جیسا کہ علامہ بزدوی کے حوالے سے ہم نقل کر چکے ہیں تمام اصولیین کے بھی خلاف ہے۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ ان حضرات نے شاید سب کو جاہل مطلق سمجھ لیا ہے کہ جس طرح چاہیں انھیں دھوکہ دے کر مرعوب کرلیں، ورنہ یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ ان حضرات کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ خبر متواتر وہ حدیث ہوتی ہے جس کے نقل اور بیان کرنے والوں کا شمار نہ ہوسکے کہ اتنی بڑی تعداد جھوٹ پر ایکا کرسکتی ہے جو حدیث ایسی نہ ہو وہ خبر واحد کہلاتی ہے (خبر مشہور، یعنی ان دونوں کے درمیان، یہ صرف فقہائے حنفیہ کی اصطلاح ہے۔ باقی فقہاء اور محدثین اسے نہیں مانتے) اور خبر واحد ظنی ہوتی ہے جو صدق و کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ محترم ملک غلام علی صاحب نے بھی سنت متواترہ کا دعویٰ فرما کر دیانت داری کی کوئی اچھی مثال نہیں فرمائی کیا پینتیس کی تعداد بھی (جس میں کمزور اور ضعیف روایات بھی شامل ہیں) ایسی تعداد ہے کہ اس کا شمار نہ کیا جاسکے؟ خامہ انگشت بدندان ہے .....

سنت ثابتہ

جو مضمون مولانا مودودیؒ کے نام سے شائع ہوا ہے وہ نسبتاً زیادہ ذہانت کا آئینہ دار ہے کہ انھوں نے ایک نئی اصطلاح ''سنت ثابتہ'' کے نام سے وضع کر ڈالی ہے۔ مجھے اصول فقہ اور اصول حدیث کی تمام کتابوں میں سنت کی تین ہی اقسام مل سکیں۔ سنت متواترہ، سنت مشہورہ، سنت واحدہ۔ لیکن مجھے سنت ثابتہ کے نام سے کوئی قسم نہیں ملی۔ موصوف نے گرفت سے بچنے کے لیے یہ ایک نئی نقاب تلاش کی ہے کہ اگر سنت متواترہ کہتے ہیں جو ہے نہیں تو گرفت ہوگی اور سنت مشہورہ یا سنت واحدہ کہتے ہیں تو ان سے کتاب اللہ پر زیادتی کیسے کریں۔ لہٰذا ایسا نام لو کہ سب پر فٹ بیٹھ جائے لوگ اسے سنت متواترہ ہی سمجھیں گے جس سے کتاب اللہ پر زیادتی کی جاسکتی ہے اور ہم گرفت میں نہ آئیں گے کیونکہ ہم نے سنت متواترہ کہا ہی نہیں جو کوئی ہماری گرفت کرسکے۔ علمی دنیا میں اسے بھی دیانت داری نہیں کہا جاسکتا۔ اللھم ارحمنا واغفرلنا ووفقنا اتباع احکامك و احکام رسولك، اٰمین۔

اجماع کا دعویٰ

مذکورہ بالا تینوں مضامین میں یہ دعویٰ مشترک ہے کہ رجم کا حکم اجماع امت سے ثابت ہے۔ محترم ملک غلام علی صاحب، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ صاحب تینوں حضرات اس بات کے مدعی ہیں کہ یہ سزا اجماع امت سے ثابت ہے۔ اس لیے اجماع کی بات کو سمجھنے کے لیے ہمیں ذرا تفصیل سے بحث کرنی ہوگی۔ صاحب نورالانوار نے اجماع کی بحث شروع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> اجماع لغت میں اتفاق کو کہتے ہیں اور امت محمدیہ کے تمام صالح مجتہدین کا جو ایک زمانے میں ہوں امر قولی یا امر فعلی پر اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے یہ بنیادی چیز ہے۔ اجماع کی دو قسمیں ہیں اوّل تو عزیمت (یعنی حقیقی اور اصل اجماع) یعنی اگر وہ مسئلہ قول سے متعلق ہو تو سب کسی حکم کے متعلق زبان سے کہیں کہ ہم سب نے اس پر اتفاق کر لیا ہے اور اگر وہ مسئلہ عمل سے متعلق ہو تو ان سب نے کسی ایسے کام کو شروع کر دیا ہو اور متفقہ طور پر اس پر عمل پیرا ہوں۔ جیسا کہ مثلاً تمام اہل اجتہاد نے بغیر کسی استثناء کے عملاً مضاربت یا مزارعت یا شرکت کا کاروبار شروع کر دیا ہو تو یہ ان کے جائز اور مشروع ہونے پر ان کا اجماع کہلائے گا۔ اجماع کی دوسری قسم رخصت (یعنی مجازی اور غیر اصلی اجماع) کہلاتی ہے جس میں کچھ لوگ ایک مسئلے کے متعلق کوئی بات کہتے ہیں یا عملاً کرتے ہیں اور باقی لوگ خاموش رہتے ہیں اس کی تردید نہیں کرتے حتیٰ کہ غور وفکر کی مدت یعنی تین دن یا مجلس علم گزر جاتی ہے اسے اجماع سکوتی کہتے ہیں اور یہ اجماع ہمارے نزدیک مقبول ہے اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کیونکہ سکوت جیسا کہ موافقت کے لیے ہوتا ہے ایسے ہی کبھی رعب اور خوف کی وجہ سے بھی ہوتا ہے لہٰذا وہ رضامندی کی دلیل نہیں۔ (نورالانوار، صفحہ ۲۲۳)

> امام مالکؒ صرف اہل مدینہ کے کسی بات پر متفق ہوجانے کو اجماع کہتے ہیں۔ باقی مدینہ والوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے اتفاق کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے وہ جب عام اجماع حقیقی ہی کو تسلیم نہیں

کرتے تو اجماع سکوتی کو تسلیم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح شیعہ حضرات صرف اپنے اصطلاحی اہل بیت نبوی یا عترت نبوی کے اتفاق رائے کو اجماع کہتے ہیں ان لوگوں کے نزدیک بھی عام اجماع یا اجماع سکوتی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ (نورالانوار، صفحہ ۲۲۴)

حافظ ابن قیم نے فقہ حنبلی کے اصولوں میں اجماع کو شمار ہی نہیں کیا بلکہ وہ امام احمدؒ سے یہاں تک روایت کرتے ہیں کہ جو کسی مسئلے میں اجماع کا ادّعا کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اجماع کا وجود ثابت بھی ہوجائے تو اس کا علم بڑا مشکل امر ہے۔ (امام احمد ابن حنبلؒ، مؤلفہ علامہ شیخ محمد ابوزہرہ مصری، صفحہ ۳۶۵، ناشر مکتبہ سلفیہ، لاہور)

امام شافعیؒ نے اپنی مشہور کتاب جُمّاع العلم میں مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اپنا ایک مناظرہ نقل فرمایا ہے اور مد مقابل کو اجماع کے خلاف دلائل سے ہر طرح زچ کر دیا ہے بالآخر اس کے اس سوال پر کہ ''پھر اجماع کوئی چیز ہے بھی؟''

امام شافعی جواب دیتے ہیں ''ہاں فرائض کا بہت بڑا حصہ ایسا ہے جس کے بارے میں کوئی شخص ناواقفیت کا اظہار نہیں کرسکتا۔ پس یہ ایسا اجماع ہے جس کے بارے میں تم کہہ سکتے ہو کہ تمام لوگوں نے ان مسائل پر اجماع کر لیا ہے اور کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ نہیں یہ اجماع نہیں ہے۔ پس یہ ہے وہ طریقہ جس سے اجماع کی صداقت پرکھی جاسکتی ہے۔ (کتاب جُمّاع العلم، صفحہ ۶۳ طبع معارف، مصر)

نیز امام شافعیؒ اپنی کتاب ''اختلاف الحدیث'' میں جو کتاب الام کے حاشیے پر طبع ہوئی ہے تحریر فرماتے ہیں کہ ''اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین اور تبع تابعین میں سے کسی شخص نے فرائض کے سوا جن کی پابندی کے سب لوگ مکلّف ہیں کسی اور مسئلے پر اجماع نہیں کیا اور میرے علم میں اس زمین کی پشت پر ایسا کوئی عالم بھی نہیں ہے جس نے اس مسلک سے انحراف کیا ہو۔'' (اختلاف الحدیث، صفحہ ۱۴۷)

امام شافعیؒ اور امام احمد حنبلؒ سے اجماع کے خلاف جو کچھ نقل کیا جاتا ہے اس کا مطلب خدانخواستہ یہ نہیں ہے کہ یہ حضرات اجماع کے مخالف

ہیں یا یہ کہ وہ اجماع کے قائل ہی نہیں بلکہ بات وہ ہی ہے جو امام ابن تیمیہؒ نے اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھی ہے کہ ''اجماع کے معنیٰ یہ ہیں کہ مسلمانوں کے علماء احکام اسلامی میں سے کسی حکم پر ایکا کرلیں اور جب کسی حکم پر اجماع امت ثابت ہوجائے تو پھر کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ اس اجماعی دائرے سے باہر قدم نکالے کیونکہ امت مسلمہ گمراہی پر مجتمع نہیں ہوسکتی لیکن بہت سے مسائل ہیں جن کے بارے میں لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان پر اجماع ہوچکا ہے حالانکہ حقیقت امر یہ نہیں ہے بلکہ ان کے مقابلے میں دوسرا قول راجح ہے۔'' (فتاویٰ ابن تیمیہ، جلد ۱، صفحہ ۴۰۶)

حقیقت واقعہ

اجماع کے سلسلے میں واقعی حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جوں جوں فتوحات اسلامی کا دائرہ وسیع ہوتا گیا حضرات صحابہ اسلامی ممالک میں منتشر ہوتے چلے گئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں کبار صحابہؓ کو مدینہ منورہ سے باہر جانے سے کافی حد تک روکا لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانے میں صحابہؓ منتشر ہوگئے اور ان کا کوئی ایک مرکز باقی نہیں رہا۔ کوفہ، بصرہ، دمشق، اسکندریہ، مکہ مکرمہ میں صحابہ کرام نے اپنے الگ الگ مراکز قائم کر لیے پھر اس کے بعد امت میں سیاسی اختلافات نے اتنا زور پکڑا کہ مسلمان شدہ شدہ متفرق فرقوں میں بٹتے چلے گئے خوارج، شیعہ، مرجیئہ، قدریہ جبریہ سب فرقے اسی دور کی پیداوار ہیں۔ چنانچہ اکابرین امت کی اکثریت نے تو فرما دیا ہے کہ صحابہ کا اجماع تو حجت ہے اس کے بعد اجماع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ صاحب نے ''ازالۃ الخفا'' وغیرہ میں فرمایا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد امت میں اختلافات پیدا ہوگئے تھے۔ لہٰذا حضرت عثمانؓ کے بعد نہ اجماع ہوسکتا تھا نہ اس کا کوئی اعتبار ہے۔ اکثر علمائے محققین کا یہی خیال ہے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے تک صحابہؓ کا بعض مسائل پر اجماع ہوا ہے لیکن وہ مسائل انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ حقیقی اور اصلی اجماع جسے صاحب نورالانوار نے عزیمت کہا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ تمام علماء قولی معاملے میں اس بات کا اعلان کریں کہ ہم نے اس مسئلے پر اجماع کرلیا ہے یا عملی معاملے میں بلا استثناء سب اس پر عمل شروع کریں۔ حقیقی اور اصلی اجماع یہی ہے اس

کی صرف چند مثالیں مل سکتی ہیں۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع، نیز آنحضرت کی وفات کے بعد مانعین زکوٰۃ سے جہاد کرنے پر صحابہ کا اتفاق، عراق کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہ کرنے پر اتفاق، قرآن کریم کے مکمل تحریری نسخے سرکاری طور پر تیار کرنے پر اتفاق احادیث نبوی کو ضبط تحریر میں نہ لانے پر اتفاق وغیرہ کو اس اعتبار سے اجماع کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان مسائل پر کئی کئی دن باہمی بحث تمحیص اور مشاورت کے بعد اتفاق کیا تھا لیکن ہمارے فقہاء نے حقیقی اور اصلی اجماع کے لیے چونکہ یہ شرط عائد فرمائی ہے کہ تمام علمائے مجتہدین نے قولی مسئلے میں زبان سے یہ اعلان فرمایا ہو کہ ہم نے اس مسئلے پر اجماع و اتفاق کرلیا ہے اس لیے چونکہ ان تمام مسائل میں صحابہؓ نے ایسا کوئی اعلان نہیں فرمایا اور اعلان فرمایا بھی ہو تو وہ ہم تک نہیں پہنچا تو ہم ان مسائل کو بھی اجماعی مسائل نہیں کہہ سکتے۔

رہ گیا مجازی اور غیر اصولی اجماع جسے صاحب نورالانوار نے رخصت سے تعبیر کیا ہے اور فقہاء اسے اجماع سکوتی کہتے ہیں تو یہی وہ اجماع ہے جس کا امام شافعیؒ نے صراحۃً انکار کیا ہے اور غالباً اس کے متعلق امام احمد ابن حنبلؒ کا یہ قول ہے کہ ''جو کسی مسئلے میں اجماع کا ادّعا کرتا ہے وہ جھوٹا ہے''۔ اجماع سکوتی میں جیسا کہ آپ ''نورالانوار'' کے اقتباس میں دیکھ چکے ہیں کسی مسئلے کے متعلق فیصلہ تو ایک دو مجتہد کرتے ہیں لیکن دوسرے لوگ خاموش رہتے ہیں۔ ان کے سکوت کو فیصلے کی تائید و توثیق فرض کر کے یہ تصور کرلیا جاتا ہے کہ سب نے اس پر اتفاق کرلیا ہے اور اب اجماع ہوگیا ہے۔ اسے اجماع سکوتی کے نام سے یاد کرنے والے اور اس کا نام اجماع رکھنے والے صرف فقہائے حنفیہ ہیں دوسرے فقہاء نے اسے اجماع نہیں مانا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کی خاموشی اگر موافقت کی وجہ سے ہوسکتی ہے تو رعب اور دبدبے کی وجہ سے بھی تو ہوسکتی ہے لہٰذا اسے اتفاق کہہ دینا سراسر زیادتی ہے۔ چنانچہ وہ مثال پیش کرتے ہیں کہ عول کے مسئلے میں حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد ان کے فیصلے کے خلاف فتویٰ دیا تھا (عول فرائض کی ایک اصطلاح ہے جو میت کے ترکے کے سلسلے میں تقسیم میراث کے ضمن میں پیش آتی ہے) لوگوں نے عبداللہ ابن عباسؓ سے کہا کہ آپ نے اپنی یہ دلیل حضرت عمرؓ کے سامنے کیوں پیش نہیں کی؟ تو انھوں نے جواب دیا تھا کہ وہ بہت بارعب آدمی تھے، مجھے ان سے خوف لگا اور میں ان کے دُرّے سے ڈر گیا۔ (نورالانوار، صفحہ ۳۲۳)

لیکن امام شافعیؒ کی اس توجیہ کے علاوہ اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ مملکت میں جس قدر مسائل اور معاملات پیش آتے ہیں، وہ سب کے سب دین اور مذہب ہی تو نہیں

ہوتے۔ بے شمار معاملات و مسائل ملکی اور انتظامی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، دینی اور مذہبی تقدس پر مبنی نہیں ہوتے۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام میں دین اور سیاست کی ثنویت نہیں ہے لیکن اس کا مطلب یہ بھی تو نہیں ہے کہ ہر بات کو خواہ مخواہ مذہبی تقدس کا جامہ ہی پہنا دیا جائے۔ دین کا تعلق، حقوق اللہ، حقوق العباد، عقائد حقہ اور اعمال صالحہ سے ہے لیکن انتظامی یا سیاسی مصالح سے متعلق معاملات بھی تو ہوتے ہیں کہ وہ فی نفسہٖ مباح ہیں لیکن انتظامی اور سیاسی مصالح کی وجہ سے کسی ایک جہت کو ہم ترجیح دے لیتے ہیں۔ اب مثلاً اس بات کا ہمارے دین اور مذہب سے کیا تعلق ہے کہ ٹریفک بائیں ہاتھ پر چلنا چاہیے چوراہے کو اس وقت تک عبور نہ کرو جب تک ٹریفک کا کانسٹیبل ہاتھ نہ دے دے۔ منگل اور بدھ کے روز گوشت کا ناغہ کرو۔ ویسے میں پچاس آدمیوں سے زیادہ لوگوں کو کھانا نہ کھلاؤ یا صرف ٹھنڈے اور گرم مشروبات پر اکتفا کرو۔ لڑکیوں کی شادی میں جہیز اور دیگر اخراجات میں پانچ ہزار سے زائد روپے خرچ نہ کرو، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب انتظامی یا ملکی و قومی مصالح پر مبنی معاملات ہیں اپنی اصل کے اعتبار سے انھیں کوئی دینی یا مذہبی تقدس حاصل نہیں ہے۔ امیر مملکت خلیفۃ المسلمین شہنشاہ وقت یا مملکت کی پارلیمنٹ اس طرح کے انتظامی احکام نافذ کرتی رہتی ہیں۔ رعایا کے لوگ اس پر انکار نہیں کرتے، کیونکہ احکام مفاد عامہ کے مطابق ہوتے ہیں لہٰذا بے چون و چرا لوگ ان پر عمل بھی کرتے ہیں۔ ان کے خلاف کوئی شور غوغا نہیں کرتے۔ تو کیا ان کی اس خاموشی سے اسے اجماع سکوتی کہہ دیا جائے گا؟ اس کی اطاعت دینی اور مذہبی فریضہ بن جائے گی؟ اس پر تنقید کفر گردانی جائے گی؟ اس کا انکار اللہ اور رسول سے بغاوت شمار ہوگا؟ میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ ہمارے ہاں یہ ایک ریت سی پڑ گئی ہے کہ جب تک ہر معاملے کو مذہبی رنگ نہ دے لیا جائے اور ہر چیز کو دینی لبادہ نہ پہنا دیا جائے اس کی اہمیت ہی لوگوں کے ذہن میں نہیں آتی۔

یہ صحیح ہے کہ ایسے احکام کی خلاف ورزی ان احکام کے نافذ ہوجانے کے بعد قطعاً ناجائز اور گناہ ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ مملکت کے کسی حکم کو نہ ماننا اور اس پر عمل نہ کرنا ملک میں فتنہ و فساد، بدنظمی اور انتشار کو دعوت دینا ہے جو قطعاً جائز نہیں ہے یہ وجہ ہرگز نہیں ہے کہ اب یہ مسئلہ اجماعی مسئلہ ہوگیا تھا اور اجماع کا انکار کفر اور اس کی خلاف ورزی گناہ اور باعث عذاب الٰہی ہے۔

ہم یہ بات بالکل بھول جاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک نبی اور رسول ہونے کے ساتھ سربراہِ مملکت بھی تھے۔ افواج اسلامیہ کے سپریم کمانڈر بھی تھے، قاضی القضاۃ بھی تھے، معلم انسانیت بھی تھے، مسلمانوں کے مربی اور سرپرست بھی تھے، اپنے صحابہ کے محبوب

ترین دوست اور رفیق راہ بھی تھے، امام اور خطیب بھی تھے، آپ گوناگوں حیثیتوں کے مالک تھے، یہی حال آپ کے بعد آپ کے خلفائے راشدین کا بھی تھا کہ وہ رسول اور نبی تو نہیں تھے۔ باقی تمام حیثیتوں میں آپؐ کے جانشین تھے۔ وہ ملکی اور قومی ضرورتوں اور وقتی مصالح کے مطابق احکام (آرڈیننس) بھی نافذ کرتے تھے۔ انتظامی معاملات کے متعلق وقتاً فوقتاً ہدایات بھی جاری کرتے تھے۔ مصالح عامہ سے متعلق لوگوں کی رہنمائی بھی فرماتے تھے افرادِ مملکت کی ذاتی سود و بہبود سے متعلق انھیں مشورے بھی دیتے تھے۔ اور یہ ساری چیزیں دینی اور مذہبی ہی نہیں ہوتی تھیں لیکن اکثر حضرات نے ہر مسئلے اور ہر معاملے کو دین و مذہب کا لبادہ اڑھانے ہی کی کوشش فرمائی ہے۔ چنانچہ:

تین طلاق کے سلسلے میں ہم کتاب الطلاق میں بتا چکے ہیں کہ عربوں میں قدیم زمانے سے تین طلاق دینے کا رواج چلا آ رہا تھا۔ قرآن کریم نے اس سلسلے میں یہ اصلاح فرمائی کہ طلاقیں صرف دو مرتبہ دی جائیں اور ہر مرتبہ ایک طلاق دینے کے بعد بیوی کو واپس لے لینے یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دینے کا اختیار ہونا چاہیے۔ دو مرتبہ طلاق دے لینے کے بعد مزید طلاق دینے کا کسی کو کوئی حق باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت میں دو سال تک اگر کوئی شخص پرانے دستور کے مطابق تین طلاق دے دیتا تھا تو وہ ایک طلاق ہی شمار ہوتی تھی۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ کے عہد تک اس پرانی عادت کو نہیں چھوڑا تو حضرت عمر نے ان کو سزا دینے کے لیے یہ حکم (آرڈیننس) نافذ کر دیا کہ آئندہ اگر کوئی شخص تین طلاقیں دے گا تو وہ نافذ کر دی جائیں گی اور مرد اپنی بیوی کو واپس نہیں لے سکے گا۔ یہ ایک سزا تھی اور وقتی سزا تھی۔ مگر ہمارے فقہاء نے بے تکلف فرما دیا کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں تمام صحابہ کا اس پر اجماع (سکوتی) ہوگیا ہے کہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاقیں تین شمار ہوں گی اور عورت مغلظ طور پر حرام ہوجائے گی۔ جس سے شوہر حلالہ کے بغیر نکاح نہیں کر سکے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک سزا تھی اور وقتی سزا تھی۔ ہمارے فقہاء نے یہ فرما کر کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں تمام صحابہ کا اس پر اجماع سکوتی ہوگیا ہے۔ اسے ابدالآباد تک کے لیے نافذ العمل قرار دے دیا۔ ہزاروں گھرانے اس غلط نگہی کی وجہ سے برباد ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

بہرحال خلفائے راشدین نے کوئی فیصلہ بھی انتظامی یا سیاسی مصلحت کی بناء پر فرمایا ہو اور لوگوں نے اسے خاموشی سے سنا اور اس پر اعتراض نہ کیا ہو تو اس پر اجماع کا ٹھپہ لگا دینا درست نہیں، ان حضرات نے کسی مجرم کو کوئی تعزیری سزا دے دی اور لوگوں نے اس پر اعتراض

نہیں کیا تو ہمارے فقہاء اس پر فوراً اجماع (سکوتی) کی مہر لگا دیتے ہیں جیسا کہ زانی کو جلاوطنی کی سزا میں آپ دیکھ چکے ہیں۔

یہ روش پہلے بھی غلط تھی اور آج بھی غلط ہے۔ خلفائے راشدین کے احکام انتظامی نوعیت اور سیاسی مصلحت سے متعلق بھی ہوتے تھے۔ ہر حکم کو ہمیں مذہبی رنگ نہ دے لینا چاہیے کہ انھوں نے جہاں کوئی حکم نافذ کیا اور لوگوں نے اس کی اطاعت کی (کیونکہ امیر ملت اور سربراہِ مملکت کی حیثیت سے سب پر اس کی اطاعت لازم تھی) تو ہم نے اسے اجماع سکوتی قرار دے لیا۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ وغیرہ نے غالباً اسی سے تنگ آ کر ایسے اجماع کا سرے ہی سے انکار کر دیا تھا اور آج بھی علمائے محققین اس سے زچ آئے ہوئے ہیں۔

محققین نے صرف صحابہ کے اجماع کو قبول فرمایا ہے اور وہ بھی زیادہ تر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد تک کیونکہ اس وقت تک فقہائے صحابہ کی تعداد بہت کم تھی اور وہ زیادہ تر مدینہ منورہ اور آس پاس کے علاقوں میں رہتے تھے۔ ان کی رائے معلوم کی جاسکتی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اوّل تو امت میں اختلاف پیدا ہوگئے۔ دوسرے حضرات صحابہ ممالک محروسہ کے اکناف و اطراف میں منتشر ہوگئے اور آگے چل کر تو علماء و فقہاء کی تعداد بھی بڑھتی چلی گئی جس کی وجہ سے اس کا امکان ہی نہیں رہا کہ ان کی آراء معلوم کی جاسکیں۔ چنانچہ علامہ شوکانیؒ نے ابومسلم الاصفہانی سے نقل کیا ہے کہ:

> ''اجماع صحابہ کے معتبر ہونے پر علماء متفق ہیں، البتہ غیر صحابہ کے اجماع میں اختلاف ہے ابومسلم نے یہ ثابت کیا ہے کہ غیر صحابہ کا اجماع غیر ممکن العلم ہے یعنی صحیح طور پر اس کا معلوم کرنا ناممکن ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں ''سچی بات تو یہ ہے کہ صحابہ کرام کے اجماع کے علاوہ دوسرے لوگوں کے اجماع کا صحیح علم ناممکن ہے اس لیے کہ دورِ صحابہ میں اجماع کرنے والے علماء کی تعداد کم تھی۔ ان کی پرکھ آسانی کے ساتھ ہوسکتی تھی، لیکن اب جب کہ اسلام دور دراز گوشوں میں پہنچ چکا ہے اور علماء کی تعداد بہت بڑھ چکی ہے تو اس کا علم پورے طور پر ہونا ناممکن ہے، یہی مسلک امام احمدؒ کا ہے جو عہد صحابہ کا قرب رکھتے تھے اور قوت حفظ اور امور نقلیہ میں شدت اطلاع کی بناء پر بطور خاص ممتاز اور نمایاں شخصیت کے حامل تھے۔
>
> (ارشاد الفحول، صفحہ ۶۹، طبع مطبعۃ السعادۃ، مصر)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اجماع کا انسٹی ٹیوشن نہایت اہم اور کارآمد انسٹی ٹیوشن تھا اور ہمیں اسے دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ عہد صحابہ کے بعد اجماع کا علم ناممکن ہوگیا تھا اس لیے اکثر فقہائے متقدین نے اس سے انکار کر دیا تھا لیکن آج حالات پھر سازگار ہیں۔ زمین کی طنابیں کھنچ گئی ہیں۔ فاصلے کم ہوگئے ہیں۔ ذرائع رسل و رسائل آسان تر ہوگئے ہیں۔ مسلم زعماء وفقہاء کی ایسی تنظیمیں قائم ہو رہی ہیں اور ہوسکتی ہیں کہ ہمارے علماء اجماع کرسکیں اور ایک دوسرے تک اپنی رائے کو پہنچا سکیں ہر ملک کی اپنی آئین ساز اسمبلیاں اور قانون ساز ادارے موجود ہیں، بین الاقوامی ادارے مثلاً مؤتمر عالم اسلامی، رابطہ عالم اسلامی، اسلامی سربراہ کانفرنس وجود میں آچکی ہیں، فقہاء و علماء کی ایسی تنظیمیں مزید قائم کی جاسکتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں اجماع کے اس ادارے کو از سر نو قائم کرنا چاہیے۔ اس سے ہماری بہت سی مشکلیں حل ہوسکتی ہیں۔ اور ہمارے بہت سے مصائب کا علاج ہوسکے گا۔ حق تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے (آمین) آئندہ کے متعلق ہماری مخلصانہ رائے یہی ہے لیکن گزشتہ کے متعلق یعنی عہد صحابہ و تابعین کے متعلق ہم نے اجماع کے سلسلے میں ائمہ فقہاء کے ارشادات تفصیل سے پیش کر دیے ہیں۔ حقیقی اور اصلی اجماع کسے کہتے ہیں (اسے بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ غیر حقیقی اجماع جسے اجماع سکوتی کہتے ہیں اس کے متعلق فقہاء متقدین نے جو کچھ اظہار خیال فرمایا ہے وہ بھی آپ دیکھ چکے ہیں۔ یہ بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اجماع سکوتی کو سوائے فقہائے حنفیہؒ کے کسی نے تسلیم نہیں کیا آپ یہ بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اصلی اور حقیقی اجماع کی مثالیں انگلیوں پر گنی جاسکتی ہیں۔ لوگ عام طور پر اجماع سکوتی ہی کو اجماع کے نام سے پیش کرنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ جس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے اس کے باوجود بھی ہمارے علمائے کرام سب کچھ جانتے بوجھتے اٹھتے بیٹھے اجماع کی دہائی کیوں دیتے اور لوگوں کو اجماع کے نام سے مرعوب کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟ یہ تمام سوالات ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ کاش ہمارے علمائے کرام کچھ سمجھ بوجھ سے کام لینا سیکھیں۔

احادیثِ رجم

رجم کے متعلق جو مشہور روایات ہیں ان میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر کلام کرنے سے پہلے حضرت عبادہ ابن الصامت رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے متعلق گفتگو کرنا مناسب ہوگا جو صحیح مسلم، جامع ترمذی اور سنن ابوداؤد میں بیان ہوئی ہے حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے یہ حکم لے کر (خوب یاد کرلو) کہ اللہ تعالیٰ

نے زنا کار عورتوں کے لیے ایک راہ نکال دی ہے کنوارا اگر کنواری کے ساتھ زنا کرے تو (الف) سو کوڑے مارے جائیں (ب) اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے اور شادی شدہ مرد، شادی شدہ عورت کے زنا کرے تو (الف) سو کوڑے مارے جائیں اور (ب) رجم کیا جائے۔

اسی طرح مسلم کی حدیث ہے کہ حضرت علیؓ نے شراحہ ہمدانیہ کو جمعرات کے روز کوڑے مارے اور جمعہ کے دن رجم کر دیا اور فرمایا کہ میں نے کتاب اللہ کے مطابق اس عورت کو کوڑے مارے ہیں اور رسول اللہ کی سنت کے مطابق رجم کیا ہے۔ ان دونوں حدیثوں پر ہمیں کلام کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ امت میں سوائے حسن بصریؒ، اسحٰقؒ، احمد ابن حنبلؒ اور داؤدؒ ظاہری کے کسی نے اس قسم کی حدیثوں کو قبول نہیں کیا کیونکہ ان میں رجم کے ساتھ ساتھ کوڑے مارنے کی سزا بھی تجویز کی گئی ہے۔ اور امت میں سوائے مذکورہ چار فقہاء کے کوڑے مارنے کے بعد رجم کرنے کا کوئی قائل نہیں ہے۔

ان احادیث کے جواب میں جمہور فقہاء کی طرف سے جو کچھ کہا جاتا ہے، علامہ ابن رشد کے الفاظ میں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز اسلمی کو، جہنیہ کی ایک خاتون کو، دو یہودیوں کو اور قبیلہ ازد میں سے بنو عامر کی ایک عورت کو رجم فرمایا۔ یہ سارے واقعات کتب صحاح میں مذکور ہیں۔ اور کسی نے بیان نہیں کیا کہ آپؐ نے ان میں سے کسی کو رجم کے ساتھ کوڑوں کی سزا بھی دی ہو، معنوی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو چھوٹی حد، بڑی حد میں داخل ہوجانی چاہیے کیونکہ حد اس لیے مقرر کی گئی ہے کہ زجر و توبیخ ہوسکے اور رجم کے ساتھ کوڑے مارنے سے زجر و توبیخ میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔'' (بداية المجتهد، جلد۲، صفحہ ۴۳۵)

صاحب ہدایہ نے اس قسم کی احادیث کے جواب میں کہا ہے کہ ''ہماری دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد فَاجْلِدُوْا (الآیۃ) ہے کہ حکم حق تعالیٰ نے کوڑے مارنے کو وہ مکمل سزا قرار دیا ہے جو زنا کے بعد لازم آتی ہے کیونکہ حرف فاء کے استعمال کا تقاضہ یہی ہے (مطلب یہ ہے کہ فَاجْلِدُوا میں فاء جزاء کے لیے ہے اور جب شرط کے بعد جزاء بیان کی جاتی ہے اور جزاء پر فاء لائی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ شرط کی یہ پوری پوری جزاء ہے آپ دیکھتے نہیں کہ جب کوئی مرد اپنی عورت سے کہہ دے کہ ''اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی تو تجھے ایک طلاق ہے''۔ تو شرط کی پوری پوری جزاء وہی ہوتی ہے جو فاء کے بعد مذکور ہوئی ہے۔ عنایہ حاشیہ ہدایہ)۔ یا یہ کہ جو چیز واجب کی گئی ہے وہ پوری وہی ہوتی ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے (مطلب یہ ہے کہ آیت قرآنی نے اس مقام پر جہاں بیان کرنے کی ضرورت تھی کوڑے مارنے کا بیان تو

کیا، لیکن شہر بدر کرنے کا کوئی ذکر نہیں کیا، تو جو کچھ قرآن کریم نے بیان کر دیا ہے وہ کل سزا ہے جس کو بیان کرنے کی ضرورت تھی، اگر کوئی ضروری چیز جس کو بیان کرنا چاہیے تھا بیان کرنے سے رہ گئی تو ضرورت کے موقعے پر کسی بات کو ذکر نہ کرنا بیان میں خلل پیدا کرنے والی چیز ہوگی۔ (ایضاً عنایہ بر حاشیہ ہدایہ)۔ اس کے بعد صاحب ہدایہ نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ جیسا کہ اس کا دوسرا نصف حصہ بالاتفاق منسوخ ہے۔ (ہدایہ، جلدا، صفحہ ۵۱۲)

غرض یہ کہ صاحب ہدایہ نے اس حدیث کے خلاف تین دلیلیں پیش کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) شرط کے بعد جب جزاء پر فاء لائی جائے تو فاء کے بعد جو جزاء بیان کی جاتی ہے وہ کل جزاء ہوا کرتی ہے۔ جزاء کا ایک حصہ نہیں ہوا کرتی۔ اگر کوئی اپنی بیوی کو کہتا ہے کہ اگر تو اس گھر میں گئی تو تجھے ایک طلاق ہے تو ایک طلاق ہی واقع ہوتی ہے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فاء کے بعد جزاء کا صرف ایک حصہ یعنی ایک طلاق تو بیان ہوا ہے باقی چھوڑ دیا گیا ہے لہٰذا بیوی پر تین طلاقیں نافذ کردو۔

(۲) جہاں کسی بات کو بیان کرنے کی ضرورت ہو اور اسے بیان نہ کیا جائے تو یہ بیان کا نقص ہوتا ہے اگر زنا کی سزا میں کوڑے مارنے کے ساتھ شہر بدر کرنا بھی سزا ہی کا حصہ تھا تو قرآن کریم کو اسے بیان کرنا چاہیے تھا۔ قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ کل سزا ہے جو بیان نہیں کیا وہ سزا ہے ہی نہیں۔ ورنہ قرآن کریم کا بیان ناقص ہوگا۔ حالانکہ قرآن کریم کے بیان میں کوئی نقص نہیں ہوسکتا۔

(۳) اس حدیث کا وہ حصہ کہ زنا کار اگر شادی شدہ ہو تو اسے اوّل کوڑے مارو اور اس کے بعد رجم کردو۔ اکثر فقہاء کے نزدیک منسوخ ہے۔ ایسے ہی اس کا دوسرا حصہ کہ زنا کار اگر شادی شدہ نہ ہو تو اسے کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کردو۔ یہ بھی منسوخ ہے اور ہدایہ کے حاشیے پر عینی کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ حدیث اس آیت کریمہ سے منسوخ ہے اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا۔

ہم نے ہدایہ کا اقتباس اور اس کے حواشی کا حوالا اس لیے دیا ہے کہ ناظرین دیکھ لیں کہ ہمارے فقہائے کرام جو دلائل رجم کے ساتھ کوڑے مارنے اور کوڑے مارنے کے ساتھ ایک سال کے لیے شہر بدر کرنے کے خلاف بلاتکلف پیش فرما رہے ہیں۔ بعینہ وہی دلائل خود رجم کے خلاف بھی پیش کیے جاسکتے ہیں مگر رجم کے معاملات میں ان دلائل کی طرف ان کی توجہ ہی نہیں جاتی کیونکہ رجم ان کے ہاں ایک مسلمہ حقیقت ہے اس کے خلاف نہ وہ سوچ سکتے ہیں نہ سوچتے

ہیں۔ ورنہ یہ کوئی ایسی مخفی بات نہیں تھی جو ان حضرات کے فہم وتصور سے بالاتر ہوتی۔ ان کے دلائل سے ہماری تائید اس طرح ہوتی ہے کہ:

(۱) شرط کے بعد جزاء پر جب فاء لائی جاتی ہے تو فاء کے بعد بیان کردہ جزاء مجموعی جزاء ہوا کرتی ہے۔ جزاء کا ایک حصہ نہیں ہوا کرتی۔ لہٰذا قرآن کریم میں فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ پوری جزاء ہے یعنی زنا کی پوری سزا ہے سزا کا حصہ نہیں ہے کہ آپ اس میں رجم کو بھی شامل کرلیں۔

(۲) موضع بیان میں بات کو بیان نہ کرنا کلام کا شدید نقص ہے جس سے قرآن کریم پاک ہے لہٰذا اگر زنا کی سزا رجم بھی ہوتی تو قرآن کریم نے اسے کیوں بیان نہیں فرمایا۔ جب وہ زنا کی سزا بتا رہا تھا تو اسے اس کی پوری سزا بتانی تھی۔ سزا کا ایک جزو بیان کر دینا اور دوسرا جزو بیان نہ کرنا موضع بیان میں کلام کا شدید نقص ہے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ رجم قرآن کے نزدیک سزا ہے ہی نہیں۔

(۳) جیسا کہ شہر بدر کردینے کا حکم آیت فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ سے منسوخ ہے اسی طرح رجم کا حکم بھی اسی آیت کریمہ سے منسوخ ہے۔

لہٰذا چونکہ حضرت عبادۃ ابن الصامتؓ کی یہ روایت تمام فقہاء کے نزدیک (سوائے چار فقہاء کے جن کے نام ہم نے بتا دیے ہیں) قابلِ عمل نہیں ہے۔ اور وہ حسب تصریح صاحب ہدایہ قرآن کی نص صریح کے خلاف پڑتی ہے (صاحبِ ہدایہ کی تینوں دلیلوں کو دھرا لیجیے) اور علامہ ابن رشد کی تصریحات کے مطابق جو کچھ حضرت عبادۃؓ کی حدیث میں بیان ہوا ہے کہ وہ صحاح کی دیگر روایات کے خلاف ہے اور اصولی طور پر بھی قابلِ قبول نہیں ہے کیونکہ اصولاً چھوٹی سزا بڑی سزا میں داخل ہوجانی چاہیے۔ لہٰذا رجم کے ساتھ کوڑوں کی سزا کا کوئی جواز نہیں اس لیے یہ حدیث عام فقہاء نے قبول نہیں فرمائی چونکہ عام فقہاء نے اس حدیث کو قبول ہی نہیں فرمایا اس لیے ہمیں اس حدیث پر مزید کلام کرنے کی ضرورت نہیں ہے فقہائے کرام نے اس حدیث کے خلاف جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہی اس کی تردید کے لیے کافی ہے۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد

حضرت عبادہ ابن الصامتؓ کی حدیث کے بعد اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کے ارشاد کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے جو امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان کے ایک طویل خطبے کے ذیل میں نقل فرمایا ہے۔ ہم یہاں اس کا صرف وہ حصہ نقل کرتے ہیں جو مسئلہ رجم سے تعلق رکھتا ہے۔

یہ حدیث حدثناعبدالعزیز ابن عبدالله قال حدثنا ابراهیم ابن سعدعن صالح عن ابن شهاب عن عبیدالله ابن عبدالله ابن عتبة ابن مسعود عن ابن عباسؓ کی سند سے بیان ہوئی ہے کہ:

حضرت عمرؓ منبر پر بیٹھ گئے تو جب مؤذن (اذان دے کر) خاموش ہوگئے۔ حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے۔ حق تعالیٰ کی حمد وثنا فرمائی جو اس کے لائق تھی، پھر فرمایا امابعد! میں آج تم سے وہ بات کہہ رہا ہوں جو اللہ نے میرے لیے کہنے کو مقدر فرمادی تھی مجھے پتہ نہیں کہ میں یہ بات اپنی موت سے کچھ ہی پہلے کہہ رہا ہوں۔ تو جو شخص اسے سمجھ لے اور محفوظ کرلے وہ اسے وہاں تک بیان کرتا چلا جائے جہاں تک اسے اس کی سواری لے جاسکے اور جسے اندیشہ ہو کہ شاید وہ میری بات کو نہ سمجھ سکا تو میں اسے اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مجھ پر بہتان باندھتا پھرے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا تھا اور ان پر کتاب ''قرآن'' نازل فرمایا تھا۔ تو ان میں سے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا ایک رجم کی آیت بھی تھی۔ ہم نے اسے پڑھا ہے، اسے سمجھا ہے اور یاد کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم فرمایا تھا اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا ہے مجھے اندیشہ ہے کہ لوگوں کو زمانہ دراز گزر جائے تو کوئی کہنے والا کہنے لگے کہ خدا کی قسم ہم رجم کی آیت کو اللہ کی کتاب میں تو نہیں پاتے۔ چنانچہ وہ گمراہ ہوجائیں کہ اللہ کے ایک فریضے کو چھوڑ دیں جو اس نے نازل کیا تھا حالانکہ رجم اللہ کی کتاب میں ثابت ہے اس شخص پر جو زنا کرے، مرد ہو یا عورت ہو جبکہ وہ شادی شدہ ہوں جبکہ شہادت سے ثابت ہوجائے یا حمل موجود ہو۔ یا وہ اعتراف کرلے اور ہم کتاب اللہ میں یہ بھی پڑھا کرتے تھے:

وَلَاتَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَائِكُمْ فَاِنَّهٗ كُفْرٌبِكُمْ اَنْ تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَائِكُمْ او اِنَّ كُفْراً بِكُمْ اَنْ تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَائِكُمْ.

اپنی نسبت اپنے باپوں کی طرف کرنے سے نہ کتراؤ کیونکہ یہ تمہارا کفر ہے کہ تم اپنے باپوں سے اعراض کرنے لگو۔ الخ

(صحیح بخاری، جلد۲، صفحہ ۱۰۰۹، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، دہلی)

اس روایت کے متعلق عرض یہ ہے کہ ہمارے بہت سے فقہاء (امام ابوحنیفہؒ و امام شافعیؒ وغیرہ) نے اس حدیث کو تسلیم نہیں فرمایا کیونکہ اس روایت میں حمل کی بناء پر بھی رجم کو ضروری قرار دیا گیا ہے جبکہ اکثر فقہاء ظہور حمل کو زنا کا ثبوت تسلیم نہیں کرتے کیونکہ محض حمل کا وجود زنا کو ثابت نہیں کرتا ممکن ہے کسی نے اس سے زبردستی زنا کرلیا ہو یا کسی شبہے کی بناء پر مقاربت کرلی ہو اور حمل رہ گیا ہو۔ (بدایۃ المجتہد، جلد۲، صفحہ ۴۴۰)۔ نیز اپنے باپوں کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرنے کو کسی نے بھی کفر قرار نہیں دیا۔ حدیث کی ان دونوں باتوں کو تسلیم نہ کرنا خود حدیث کو تسلیم نہ کرنے کی دلیل ہے۔

مزید برآں امام ترمذیؒ نے اپنی سنن میں حضرت عمرؓ سے یہ بھی نقل فرمادیا ہے کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم (سنگسار) کیا اور ابوبکرؓ نے رجم کیا اور خود میں نے رجم کیا ہے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں کتاب اللہ میں کسی اضافے کو پسند نہیں کرتا تو میں اسے مصحف میں لکھ دیتا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہو رہا ہے کہ کچھ لوگ بعد میں آئیں تو وہ اس حکم کو کتاب اللہ میں نہ پائیں اور اس طرح کفر کے مرتکب ہوں۔ (بحوالہ جمع الفوائد، جلد۲، صفحہ ۲۸۵)

اس حدیث کو بھی ہمارے فقہاء نے تسلیم نہیں کیا کیونکہ رجم کے انکار کو حدیث میں کفر بتایا گیا ہے جس کا قائل ہمارے فقہاء میں سے کوئی بھی نہیں ہے وہ رجم کے منکر کو زیادہ سے زیادہ گمراہ بتاتے ہیں دیکھئے اصول فقہ کی مشہور ترین کتاب ''اصول بزدوی'' مطبوعہ نور محمد آرام باغ، کراچی۔ صفحہ ۱۵۲، باب المشہور من الاخبار۔ ہدایہ کے حاشیے میں مولانا عبدالحی صاحب نے عنایہ کے حوالے سے وہ آیت بھی نقل فرمادی ہے جو بقول ان کے قرآن کریم میں موجود تھی لیکن اب موجود نہیں ہے تاہم اس کا حکم اب بھی باقی ہے آیت کے الفاظ یوں نقل کیے گئے ہیں:

الشیخ والشیخة اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْ هُمَا اَلْبَتَّةَ نَكَالًا مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۔ (حاشیہ ہدایہ، جلد۲، صفحہ ۵۰۹، کمال کمپنی، کراچی)

نسخ کا دعویٰ

انھی روایات کی بناء پر یہ ایک نظریہ وضع فرمایا گیا ہے کہ منسوخ آیات تین طرح کی ہوتی ہیں (۱) وہ آیات جن کی تلاوت بھی منسوخ ہوگئی اور حکم بھی منسوخ ہوگیا۔ اور (۲) وہ آیات جن کا حکم تو منسوخ ہوگیا مگر تلاوت منسوخ نہیں ہوئی چنانچہ وہ قرآن کریم میں موجود ہیں

مگر ان پر عمل نہیں ہوتا اور (۳) وہ آیات جن کی تلاوت تو منسوخ ہوگئی مگر حکم منسوخ نہیں ہوا۔ چنانچہ وہ اب قرآن کریم میں موجود نہیں ہیں مگر ان کا حکم باقی ہے۔

نسخ کی پہلی صورت تو قابل فہم ہے کہ جن حالات میں کوئی آیت نازل ہوئی تھی وہ حالات تبدیل ہوگئے اور آئندہ بھی ان کے دوبارہ پیش آنے کی توقع نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی آیات منسوخ کر دی گئیں اور قرآن سے خارج کر دی گئیں۔ یہ صورت قرآن کریم سے ثابت ہے:

مَانَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْنُنْسِهَانَاْتِ بِخَيْرٍمِنْهَا اَوْمِثْلِهَا ط اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ (۲/۱۰۶)

ترجمہ: ہم جس آیت کو منسوخ کرتے یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی دوسری آیت لے آتے ہیں۔ کیا آپ جانتے نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

لیکن دوسری اور تیسری صورت قطعاً قابل فہم نہیں ہے جو آیات قرآن کریم میں موجود ہیں ان کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔ وہ آج بھی اپنے حالات میں قابل عمل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی عہد میں حکم تھا کہ:

لكم دينكم ولى دين (۶/۱۰۹)

ترجمہ: تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

یعنی میں تم سے کوئی تعرض نہیں کرتا تم مجھ سے کوئی تعرض نہ کرو اور

قُلْ يَاقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ج فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ط اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ہ (۶/۱۳۵)

ترجمہ: اے پیغمبر اسلام! آپ کہہ دیجیے کہ تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو۔ میں اپنی جگہ پر عمل کر رہا ہوں۔ تمھیں جلد ہی معلوم ہوجائے گا کہ اس جہان میں بہتر انجام کس کا ہوتا ہے۔ یقیناً بات یہی ہے کہ ظالم کبھی پنپتے نہیں۔

یہ احکام ایسے حالات کے لیے ہیں جیسے مکہ کی ابتدائی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درپیش تھے۔ فتح مکہ کے بعد حالات تبدیل ہوگئے تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کو شوکت وقوت حاصل ہوچکی تھی اس لیے اب فرما دیا گیا۔

وَاقتلوهم حيث ثقفتموهم واخرجوهم من حيث اخرجوكم (۲/۱۹۱)

ترجمہ: انھیں جہاں پاؤ قتل کردو اور انھیں وہاں سے نکال دو جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا تھا۔

اس قسم کی آیات کی وجہ سے مذکورہ بالا آیات (۶/۱۰۹، ۶/۱۳۵) کو منسوخ کہہ دینا زیادتی ہے کیونکہ مکہ والے حالات مسلمانوں کو پھر بھی کسی وقت دنیا کے کسی خطے میں پیش آسکتے ہیں۔ اگر ویسے ہی حالات پیش آجائیں تو پھر وہی حکم ہوگا جو مکہ کی ابتدائی حالات میں تھا۔ ہندوستان کی تقسیم کے بعد ہندوؤں کے مذہبی جنون کی وجہ سے جبکہ فوج، پولیس اور گورنمنٹ نے ہندوستان میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ کیا مسلمانوں کو پھر انھیں حالات سے سابقہ نہیں پڑچکا تھا جو مسلمانوں کو مکہ کی ابتدائی زندگی میں درپیش تھے؟ لہٰذا ان آیات کو منسوخ نہیں کہا جاسکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ غریب آیت نمبر ۲/۱۹۱ کے مخاطب نہیں ہیں۔ ان کے حق میں یہ آیت قابل عمل نہیں ہے۔

رہ گئی نسخ کی تیسری صورت تو وہ انتہائی مضحکہ خیز ہے اگر خدا کو کسی آیت کا حکم باقی رکھنا ہے تو اسے قرآن سے خارج کر دینے اور منسوخ التلاوت قرار دینے میں آخر کونسی مصلحت ہے۔ خدا کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا وہ ہماری طرح اوٹ پٹانگ کام نہیں کیا کرتا۔ آج تک ہمارے علمائے کرام نے اس کی کوئی قابل فہم مصلحت نہیں بتائی جسے عقل سلیم قبول کرسکے۔ چونکہ روایات میں ایک بات آگئی ہے اور وہ بھی بخاری شریف جیسی صحیح کتاب میں۔ چونکہ اسے صحیح اور درست ماننا ضروری تھا اس لیے اس کی خاطر دور از کار اور بعید از فہم امور کو تسلیم کرنا ہی کیوں نہ پڑے مگر ہمارے علمائے کرام اس کے لیے سب کچھ کرسکتے ہیں چاہے اس کی وجہ سے قرآن کریم کے متعلق حفاظت کے خدائی وعدے ہی کو مشتبہ اور مشکوک بنانا کیوں نہ پڑجائے۔ اعاذنا الله من ذلك۔

حیرت بالائے حیرت اس بات پر ہے کہ اس اصول کی مثال میں صرف یہی ایک آیت پیش کی جاتی ہے جس کی تلاوت منسوخ ہوچکی ہے اور اس کا حکم باقی ہے۔ علماء اس کی کوئی دوسری مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

واضح رہے کہ نسخ کی اس صورت کو تمام علمائے اہل سنت نے تسلیم نہیں فرمایا یہ صرف بعض اہل اصول کا قول ہے جسے عام علماء کی تائید حاصل نہیں ہے علامہ آلوسی اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں رقم طراز ہیں کہ:

ونسخ الاية (مع بقاء الحكم) على ما ارتضاه بعض الاصوليين.
بيان انتهاء التعبد بقراءتها كاية الشيخ الشيخة اذا زنيا فارجموهما نكالا من الله والله عزيز حكيم.

(روح المعانی، صفحہ ۳۱۵)

اور آیت کا نسخ کہ آیت تو منسوخ ہوجائے اور اس کا حکم باقی رہے جیسا کہ بعض اصولیوں نے اسے اختیار کیا ہے اس بات کا بیان ہے کہ اس آیت کی تلاوت اب عبادت نہیں رہی جیسے آیت الشیخ والشیخه اذا زنیا فارجمو هماالایة۔

حضرت عمرؓ کی روایت

جہاں تک حضرت عمرؓ کی اس روایت کا تعلق ہے تو اس کو بیان کرنے والے سب سے بڑے راوی محمد بن مسلم بن شہاب زہریؒ ہیں جو اہل سنت کی اسماء رجال کی کتابوں میں حدیث کے بہت بڑے امام مانے جاتے ہیں لیکن شیعہ اسماء رجال کی کتابوں میں ان کے شیعہ ہونے کی تصریحات ملتی ہیں جو ہم نے افسانۂ افک پر بحث کرتے ہوئے خود شیعہ مستند اسماء رجال کی کتابوں سے نقل کر دی ہیں۔

اور یہ بات تمام اہل علم جانتے ہیں کہ فرقۂ امامیہ شیعہ کی تمام علمی تگ و تاز کا محور و مقصد ہی یہ رہا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں قرآن کریم کے سلسلے میں طرح طرح سے شکوک و شبہات پیدا کیے جائیں اور قرآن کریم پر مسلمانوں کے ایمان کو متزلزل کیا جائے۔ اس لیے یہ روایت ہمارے نزدیک قابل اعتماد نہیں ہے۔ امام زہریؒ کے علاوہ اس روایت کو ابن مسیبؒ نے بھی بیان کیا ہے جو مؤطا امام مالکؒ میں نقل ہوئی ہے مگر وہ روایت منقطع ہے کیونکہ ابن مسیب کا سماع حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں ہے وہ ان کی شہادت کے وقت کم سن تھے۔

مسند امام احمد ابن حنبلؒ میں اس کی دوسری سندات بھی بیان کی گئی ہیں مگر ہم سندوں پر بحث کرنے کی ضرورت اس لیے نہیں سمجھتے (جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ جو ہمارے مخاطب ہیں یعنی علمائے احناف وہ خود ہی اس حدیث کو تسلیم نہیں کرتے اس حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

ان الرجم فی کتاب الله حق علی من زنی اذا احصن من الرجال والنساء اذا قامت البینة اوکان الحمل اوالاعتراف۔

رجم اللہ کی کتاب میں حق ہے زنا کرنے والے پر جبکہ وہ محصن ہو، مردوں میں سے اور عورتوں میں سے جبکہ بینہ قائم ہوجائے (شہادت سے ثابت ہوجائے) یا حمل ہو یا اقرار ہو۔

حمل کی وجہ سے صرف امام مالکؒ حد قائم کرنے کے قائل ہیں نہ امام ابوحنیفہؒ اسے تسلیم کرتے

ہیں نہ امام شافعیؒ۔ (دیکھئے بدایۃ المجتہد، جلد۲، ۴۴۰)

لہٰذا جو حدیث خود فقہائے حنفیہ اور شافعیہ رد کر چکے ہیں اسے فریق مخالف کے سامنے بطور دلیل پیش کرنے کا انھیں کوئی حق نہیں ہے۔

مفروضہ آیت کے الفاظ اور اسلوب

رجم کے متعلق آیت کے الفاظ اور اسلوب خود گواہی دے رہے ہیں کہ وہ قرآن کے الفاظ نہیں ہیں۔ ان کا اسلوب بیان بھی قطعاً قرآنی نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ تورات کی آیت ہو تورات کا اصل عبرانی نسخہ تو کبھی کا ناپید ہو چکا تھا، لوگوں کے پاس اس کے تراجم موجود تھے۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے پاس تورات کا عربی ترجمہ تھا جو انسانوں ہی کا کیا ہوا تھا۔ انسانی کلام میں خواہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی جائے کچھ نہ کچھ جھول، نقص اور کوتاہی رہ ہی جاتی ہے پھر تورات کے متعلق اس کے اعجاز کا بھی کوئی دعویٰ نہیں تھا جیسا کہ قرآن کریم کے متعلق ہے ایک غیر معجز نما کتاب کا ترجمہ اور وہ بھی انسانوں کا کیا ہوا، نقائص سے کیسے پاک ہوسکتا ہے یہی صورت اس آیت کی بھی ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر زبان میں کچھ الفاظ عام لوگوں کی بول چال کے ہوتے ہیں جبکہ کچھ دوسرے الفاظ سنجیدہ، مہذب، خاص پڑھے لکھے لوگوں کی بول چال کے ہوتے ہیں دونوں طرح کے الفاظ زبان کے اعتبار سے صحیح تو ہوتے ہیں۔ لیکن عامی اور بازاری لوگوں کی بول چال کے الفاظ نہ فصیح سمجھے جاتے ہیں اور نہ وہ کسی اعلیٰ سنجیدہ کتاب میں بار پاسکتے ہیں چنانچہ بوڑھے آدمی کے لیے الشیخ کا لفظ عام و خاص سب ہی استعمال کرتے تھے۔ لہٰذا یہ لفظ فصیح ہے لیکن بڑھیا عورت کے لیے الشیخة کا لفظ عوامی بول کا لفظ ہو تو ہو لیکن خواص اور سنجیدہ لوگوں میں استعمال نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ خود قرآن کریم نے اپنے نظم میں شیخ کا لفظ تو استعمال کیا ہے لیکن شیخة کا لفظ ایک جگہ بھی استعمال نہیں کیا۔ بوڑھی عورت کے لیے قرآن کریم نے عَجُوْزٌ کا لفظ استعمال فرمایا ہے (دیکھئے ۵۱/۲۹، ۱۱/۷۲، ۲۶/۱۷۱، ۳۷/۱۳۵)۔

دوسری بات یہ ہے کہ ''رجم'' کے حکم کی تاکید کے لیے آیت مذکورہ میں البتّۃ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے (یعنی انھیں ضرور سنگسار کردو) یہ لفظ بھی قطعاً غیر قرآنی ہے قرآن کریم میں تاکید کے لیے کسی ایک جگہ بھی استعمال نہیں ہوا۔ تاکید کے لیے قرآن کریم کا نظم و اسلوب اس سے قطعاً مختلف ہے۔ قرآن کریم صیغۂ امر کے ساتھ نونِ تاکید ثقیلہ و خفیفہ لاکر تاکید کے معنے پیدا کرتا ہے۔ مثلاً

لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا (۲۰/۹۷)

ترجمہ: ہم اس بچھڑے کو ضرور ضرور جلادیں گے پھر اس کی راکھ کو اچھی طرح سمندر میں بہادیں گے۔

اور

لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَهٗ (۱۷/۶۲)

ترجمہ: میں ضرور ضرور اس کی اولاد کو جڑ سے اکھاڑ دوں گا۔

اور

لَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ۔

ترجمہ: میں انھیں ضرور ضرور بھٹکاؤں گا اور ضرور آرزوؤں اور تمناؤں میں مبتلا کروں گا اور ضرور انھیں حکم دوں گا تو وہ ضرور چوپایوں کے کانوں کو چیریں گے اور میں ضرور انھیں حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی پیدا کی ہوئی صورتوں کو بگاڑیں گے اور بدلیں گے۔ (۴/۱۱۹)

غرض قرآن کریم کا اسلوبِ بیان یہ ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں قرآن کریم سے اور بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ بتانا تو یہ تھا کہ شادی شدہ مرد وعورت اگر زنا کے مرتکب ہوں تو انھیں سنگسار کردو۔ لیکن الفاظ اَلشَّیْخُ اَلشَّیْخَةُ (بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت) کے استعمال کے فرمائے گئے ہیں جن کے معنے شادی شدہ مرد وعورت کے ہرگز نہیں ہوتے۔ مزید برآں ہر بوڑھا مرد اور ہر بوڑھی عورت لازماً شادی شدہ نہیں ہوتے اور نہ ہر شادی شدہ مرد وعورت لازماً بوڑھے ہوتے ہیں۔ اگر رجم کا مآخذ یہی مصنوعی اور موضوع آیت ہے تو اس سے شادی شدہ مرد عورت کو سنگسار کرنے کا حکم کہاں سے نکل آیا۔ صرف بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کی سزا رجم ہونی چاہیے۔

کلام کے یہ وہ نقائص ہیں جو مجھ جیسے کم سواد اور کم علم کو کھلی آنکھوں نظر آرہے ہیں زبان کے ادیب اور ماہر علماء کو اس سے زیادہ نقائص نظر آسکتے ہیں۔ لہٰذا ہم یہ کیسے باور کرلیں کہ حضرت عمرؓ جیسی عظیم المرتبت شخصیت نے ان جملوں کو قرآن کریم کی آیت بتایا ہوگا۔ لہٰذا اس روایت میں یقیناً راویوں نے کوئی ایسا تصرف کیا ہے جس سے حضرت عمرؓ کے ارشادات کا مفہوم خبط ہوگیا اور بات کچھ سے کچھ بن گئی۔ واللہ اعلم۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ:

(۱) جن روایات میں اس آیت کا ذکر آیا ہے ان کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کے الفاظ میں نمایاں اختلاف ہے۔ کسی میں اَلْبَتَّةَ کا لفظ ہے اور کسی میں نہیں ہے۔ کسی میں اَلْبَتَّةَ پر آیت ختم ہوگئی ہے کسی میں اَلْبَتَّةَ کے بعد نَکَالًا مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ کے الفاظ ہیں اور کسی میں اس کے بجائے بما قضیا من اللذة کے الفاظ ہیں۔ اگر یہ واقعی قرآن کی آیت ہے۔ لوگوں کو یاد تھی اور سزائے رجم کے حق میں نص کی حیثیت رکھتی تھی۔ تو اس کے الفاظ نقل کرنے میں یہ اختلاف کیسا ہے؟

(۲) سنت سے جو حکم بتواتر معنی ثابت ہے وہ کچھ اور ہے اور آیت کے صریح الفاظ سے جو حکم نکلتا ہے وہ کچھ اور۔ سنت سے جو چیز ثابت ہے وہ تو یہ ہے کہ شادی شدہ مرد یا عورت جب زنا کا ارتکاب کرے تو اسے رجم کیا جائے خواہ جوان ہو یا سن رسیدہ بخلاف اس کے آیت سے جو حکم نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت سے جب زنا کا صدور ہو تو اسے رجم کیا جائے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا نہ ہو۔ اس طرح یہ روایات سنت ثابتہ قطعیہ کے خلاف پڑتی ہیں۔ اس مشکل کو رفع کرنے کے لیے بعض بزرگوں نے شَیْخٌ کو ثَیِّبٌ (شادی شدہ مرد) اور شَیْخَةٌ کو ثَیِّبَةٌ (شادی شدہ عورت) کا ہم معنی قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ قطعاً ایک من مانی تاویل ہے عربی زبان کی لغت، محاورات، استعمالات، حتیٰ کہ استعارات و کنایات تک میں اس امر کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ شَیْخٌ اور شَیْخَةٌ سے ثَیِّبٌ اور ثیبہ مراد لیے جائیں۔

(۳) خود آیت کے الفاظ اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَةُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْا هُمَا الْبَتَّةَ قرآن کے معیار فصاحت سے اس قدر فروتر ہیں کہ ذوقِ زبان یہ باور نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ قرآن میں نازل فرمائے ہوں گے۔ الخ (رسائل و مسائل، جلد۳، صفحہ ۴۴-۴۵، چھٹا ایڈیشن، مطبوعہ جولائی ۱۹۷۶ء)

ہمارے دَور کے ایک اور جید عالم مولانا امین احسن اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ:

یہ روایت کسی منافق کی گھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور مقصود اس کے گھڑنے سے قرآن کی محفوظیت کو مشتبہ ٹھہرانا اور سادہ لوحوں کے دلوں میں یہ وسوسہ پیدا کرنا ہے کہ قرآن کی بعض آیات قرآن سے نکال دی گئی ہیں ..... کیا کوئی صحیح المذاق آدمی اس کو قرآن کی ایک آیت قرار دے سکتا ہے؟ اس کو تو قول رسول قرار دینا بھی کسی خوش مذاق آدمی کے لیے

ناممکن ہے چہ جائے کہ قرآن حکیم کی ایک آیت۔ آخر قرآن کے مخمل میں اس ٹاٹ کا پیوند آپ کہاں لگائیں گے۔ قرآن کی لاہوتی زبان اور افصح العرب والعجم کے کلام کے ساتھ اس عبارت کا کیا جوڑ ہے۔

(تدبر قرآن، جلد۴، صفحہ۵۰۳)

مولانا موصوف نے اپنی اس تفسیر میں مسئلۂ رجم کی روایات وغیرہ پر بڑی مفصل بحث فرمائی ہے اور رجم کے حد ہونے کا ابطال کیا ہے ہم نے ان کا صرف ایک مختصر اقتباس نقل کیا ہے۔ ناظرین اصل کتاب ضرور ملاحظہ فرمالیں۔

اس افسانے کی تفصیل میں اگر جایا جائے تو امام ابویعلیٰ موصلی (متوفی ۹۱۹ م) کی اس روایت کو بھی ملاحظہ فرماتے چلئے:

حدثنا عبيد الله بن عمر القراريرى قال حدثنا يزيد بن ذريع حد ثنا ابو عون عن محمد بن سيرين قال ابن عمرؓ نبئت عن كثير ابن الصلت قال كنا عند مروان و فينا زيد ابن ثابت۔ كنا نقرء "الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجمو هما البتة" قال مروان الا كتبتها فى المصف. قال ذكرنا ذلك و فينا عمر ابن الخطاب فقال انا اشفيكم من ذلك قال قلت فكيف؟ قال جاء رجل الى النبى صلى الله عليه وسلم قال فذكر كذا وكذا وذكرالرجم فقال يا رسول الله اكتب لى اٰية الرجم قال لا استطيع الاٰن۔

ابویعلیٰ نے اپنی سند سے حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا کہ انھیں کثیر ابن الصلت نے بتایا کہ ہم مروانؒ کے پاس تھے اور ہم میں زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ (ذکر آگیا کہ) ہم اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْ هُمَا اَلْبَتَّةَ پڑھا کرتے تھے۔ مروانؒ نے حضرت زیدؓ سے کہا کہ پھر آپ نے اسے مصحف (قرآن) میں کیوں نہیں لکھا۔ انھوں نے کہا کہ ہم میں اس بات کا تذکرہ ہوا تھا اور ہم میں عمر ابن الخطابؓ بھی موجود تھے انھوں نے فرمایا کہ میں اس کے متعلق تمھاری تسلی کر دیتا ہوں۔ زیدؓ نے فرمایا کہ ہم نے کہا وہ کیسے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے فلاں فلاں

بات کا ذکر کیا اور رجم کا ذکر کیا اور کہا۔ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجم کی آیت مجھے لکھوا دیجیے۔ تو آپ نے فرمایا ”اب میں ایسا نہیں کرسکتا۔“

مستدرک حاکم طبع اوّل ۱۳۴۲ھ، حیدر آباد دکن، جلد۴، صفحہ ۳۶۰، سطر۲۔۳ میں بھی یہی روایت موجود ہے اور اس میں یہ ہے کہ یہ درخواست کرنے والے خود حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ حضرت عمرؓ کے الفاظ یہ ہیں کہ میں نے اس آیت کو لکھوانے کی درخواست کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناپسند فرمایا (فَكَاَنَّهٗ كَرِهَ ذٰلِكَ) یہ حدیث امام حاکمؒ نے بخاریؒ کی شرط پر دو سندوں سے بیان کی ہے۔

پھر اس کے ساتھ ہی علامہ حافظ سیوطیؒ کا یہ بیان بھی قابل غور ہے کہ:

وقد اخرج ابن اشتة فى المصاحف من الليث ابن سعد قال اول من جمع القراٰن ابوبكر و كتب، زيد ابن ثابت فكان لايكتب اٰية الابشاهدى و عدل ران اٰخر سورة برأة لم توجد الا مع خزيمة ابن ثابت فقال اكتبوها فان رسول الله صلى الله عليه وسلم جعل شهادته بشهادة رجلين فكتب وان عمراتى باٰية الرجم فلم يكتبها لانه كان وحده (الاتقان، جلد۱، صفحہ۲۰، سطر۱۳ تا ۱۵، مطبوعہ المکتبۃ التجارۃ الکبری، مصر)

ابن اشتہ نے کتاب ”المصاحف“ میں لیث ابن سعد سے نقل کیا ہے کہ اوّل جس شخص نے قرآن جمع کیا ابوبکرؓ ہیں اور زید ابن ثابت نے قرآن کو لکھا تھا وہ کوئی آیت قرآن میں شامل نہیں فرماتے تھے مگر دو معتبر گواہوں کی گواہی کے بعد ہی اور سورۂ برأت کا آخری حصہ (لکھا ہوا) صرف خزیمہ ابن ثابتؓ کے پاس ہی مل سکا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اسے لکھ لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو دو آدمیوں کی شہادت کے برابر قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت زیدؓ نے وہ آیت لکھ لی اور حضرت عمرؓ آیت رجم کو لے کر آئے۔ تو حضرت زیدؓ نے اسے نہیں لکھا کیونکہ وہ اس دعوے میں اکیلے ہی تھے۔

علامہ عبدالمتعال الجبری نے اپنی کتاب النسخ فی الشریعۃ الاسلامیہ (صفحہ۱۲، سطر۱۵ تا ۱۷، مطبوعہ مصر) میں یہ روایت بھی نقل فرمائی ہے کہ جب فاروق اعظمؓ آیۃ رجم کو کتاب اللہ کہہ چکے

تو حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ (متوفی ۶۵۲ م) نے آپ کی اس رائے سے اختلاف کیا اور برسر محفل اس بات پر ٹوک دیا تھا ..... یاد رہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت عمرؓ نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے جو چھ آدمیوں کی کمیٹی قائم کی تھی اس کے صدر تھے۔☆

ان تمام روایات کو سامنے رکھ کر اگر ذرا بھی انصاف اور دیانت سے غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ سارا فسانہ شمنانِ اسلام اور دشمنان فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تراشا ہوا ہے ورنہ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ خود دربار رسالت میں یہ عرض کرنے پر کہ آیت رجم کو قرآن مجید میں لکھ دیا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری اور ناپسندیدگی کا مشاہدہ فرما لینے کے بعد حضرت فاروق اعظم پھر اسے قرآن کا حصہ بتانے پر اصرار فرمائیں اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے ٹوکنے اور ناپسندیدگی کا اظہار سن لینے کے بعد حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آیت رجم لے کر پہنچ جائیں اور اسے درج قرآن کرنے کی درخواست کریں اور حضرت فاروق اعظمؓ کی یہ خواہش اس لیے رد کردی جائے کہ انھیں تمام صحابہ میں ایک آدمی بھی گواہ کے طور پر نہ مل سکا اور مسلسل ناکامیوں کے بعد بھی حضرت عمرؓ اپنی خلافت بلکہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں یہ خطبہ دیں کہ رجم کی آیت قرآن میں تھی۔ ہم نے اسے پڑھا ہے اور یاد کیا ہے۔ الخ

کیا کسی مسلمان کی دیانت جسے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور خصوصاً حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دیانت و امانت ان کے تقویٰ و طہارت کا ذرا سا بھی پاس ہو اس کا تصور بھی کرسکتا ہے؟ نعوذ بالله من شر ورانفسنا و من سئيات اعمالنا. اللهم لاتزغ قلو بنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب (آمین)۔

یہ حقیقت ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ ہمارے محدثین و رواۃ میں روایت بالمعنیٰ کا عام رواج رہا ہے چنانچہ روایات کے ذریعے سے جو کچھ ہم تک پہنچا ہے وہ زیادہ تر نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلفظہ ارشادات ہیں اور نہ صحابۂ کرام کے۔ لوگوں نے جو بات سنی، اپنی عقل وفہم کے مطابق اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں ادا کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے حنفیہ نے ہمیشہ روایات میں اختلاف کی صورت میں فقیہ (سمجھ دار) راویوں کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

☆ میں نے یہ تینوں روایتیں کتاب تفسیر منسوخ القرآن صفحہ ۵۰ تا ۵۴ مؤلفہ علامہ رحمت اللہ طارق صاحب مطبوعہ ادبیات اسلامیہ، ملتان، ستمبر ۱۹۷۳ء سے لی ہیں۔

حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سلسلے میں بھی انھوں نے فقہائے صحابہ کی مرویات کو ترجیح دی ہے کیونکہ ان کے متعلق یہ حسن ظن تو ہے کہ انھوں نے بات کو سمجھ کر روایت کیا ہوگا۔ حضرت عمرؓ کی اس روایت میں بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر حضرت عمرؓ کے ارشادات صحیح طور پر نقل نہیں ہوسکے۔

یہ واقعہ ہے کہ قرآن کریم میں زنا سے متعلق کوئی حکم طویل عرصے تک نازل نہیں ہوا۔ اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جستجو ہوئی کہ تورات کا حکم معلوم فرمائیں چنانچہ آپ نے علمائے یہود سے قسمیں دے کر تورات کا حکم دریافت فرمایا اور جب وہ حکم معلوم ہوگیا تو نہ صرف یہود کے سلسلے میں بلکہ مسلمانوں کے سلسلے میں بھی آپ نے اسے قبول فرمالیا اور اس کے مطابق عمل بھی شروع کر دیا۔ یہ اس بات کی دلیل تھی کہ تورات کا وہ حکم واقعی حکم الٰہی تھا۔ تورات کتاب اللہ تھی اس پر ہمارا آج بھی ایمان ہے لیکن تورات میں چونکہ کافی رد و بدل اور تحریفات ہوچکی ہیں اس لیے ہم تورات کے کسی خاص حکم کے متعلق دعویٰ نہیں کرسکتے کہ فلاں حکم، حکم الٰہی تھا لیکن جس حکم کی توثیق و تصدیق خود پیغمبر اسلام نے کردی، اسے قبول کرلیا اور اپنالیا ہو اس کے متعلق تو ہم پورے وثوق اور اطمینان کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حکم الٰہی ہے اور کتاب اللہ کا حکم ہے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کے اس حکم کو قبول فرمالیا تھا اور اس کے مطابق عمل درآمد بھی ہو رہا تھا لہٰذا اگر مسلمان اسے پڑھتے ہوں، یاد کرتے ہوں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں تھی۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ علمائے یہود ''رجم'' کے حکم کو چھوڑ چکے تھے۔ اسے ظاہر بھی نہیں کرتے تھے پوری کوشش سے اسے چھپاتے تھے ہوسکتا ہے کہ یہودیوں نے تورات کے عام نسخوں سے جو عوام کے لیے ہوتے تھے اسے خارج ہی کر دیا ہو اور صرف اپنے مخصوص نسخوں میں اسے رکھ چھوڑا ہو۔ یہودیوں کی یہ پرانی عادت رہی ہے بہت سی آیات وہ تورات سے خارج کرتے رہتے تھے اس لیے حضرت عمرؓ کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ رجم کی جس آیت کو یہودیوں نے تورات سے خارج کر دیا، اسے تورات (اللہ کی کتاب) کے تمام نسخوں میں دوبارہ لکھ دوں تو کچھ تعجب نہیں۔

ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب یہودیوں کے مدرسہ (بیت المدراس) میں تشریف لے گئے تو یہودیوں نے آپ کے لیے گدا بچھایا۔ آپ اس پر تشریف فرما ہوئے۔ لیکن جب آپ کی خواہش پر تورات لائی گئی تو آپ نے گدا اپنے نیچے سے نکالا اور گدے پر غایت احترام سے تورات کو رکھا تھا اور فرمایا تھا کہ ''اے تورات! میں تجھ پر ایمان لایا

ہوں اور اس ذات پر بھی جس نے تجھے نازل فرمایا۔" لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں اگر حضرت عمرؓ نے بھی تورات کو کتاب اللہ کے لفظوں سے یاد فرمایا تو کیا تعجب ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ فرمایا وہ تورات کے متعلق فرمایا ہوگا جسے راویانِ حدیث نے قرآن کریم پر منطبق کر ڈالا یہ راویانِ حدیث کا تصرف ہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے جس اندیشے کا اظہار یہ کہہ کر فرمایا تھا کہ "جسے اندیشہ ہو کہ شاید وہ میری بات کو نہ سمجھ سکا ہو تو میں اسے اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مجھ پر بہتان باندھتا پھرے" ..... وہی ہو کر رہا اور راوی حضرت عمرؓ کی بات کو نہ سمجھ سکا جس کے نتیجے میں حضرت عمرؓ کی طرف اتنی غلط بات منسوب ہوگئی ورنہ اس کی کیا توجیہ کی جائے گی کہ حضرت عمرؓ نے اس آیت کو قرآن میں لکھوانے کی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائش کی تھی اور آپ نے فرمایا کہ لَاأَسْتَطِيعُ الْآنَ (میں اب اس کی طاقت نہیں رکھتا) اور "گویا آپ نے اسے ناگوار محسوس کیا"۔ اس کے بعد صحابہ کے مجمع میں پھر اس پر اصرار فرمایا تو حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ نے آپ کو ٹوک دیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانے میں جب قرآن لکھا جا رہا تھا تو وہ آیت رجم لے کر حضرت زید ابن ثابتؓ کے پاس پہنچ گئے کہ اسے مصحف میں لکھ دو۔ وہاں اپنی تائید میں حضرت عمرؓ کو ایک صحابی بھی نہ مل سکا اور ناکام لوٹے، پھر اپنی زندگی کے آخری دنوں میں خطبہ دیتے کھڑے ہوئے تو پھر اس پر اصرار فرما رہے ہیں کہ یہ قرآن کریم کی آیت تھی۔ ہم نے اسے پڑھا، یاد کیا اور اس پر عمل کیا۔ الخ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری، عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ٹوک دینے۔ حضرت زیدؓ کے سامنے ایک صحابی کی بھی تائید نہ ملنے کے باوجود بات حضرت عمرؓ کی سمجھ میں نہ آسکے اور وہ ایک ہی رٹ لگاتے رہیں۔ حضرت عمرؓ کی نسبت ہم ایسا تصور کر ہی نہیں سکتے۔

حضرت علیؓ کی روایت

اسی سلسلے میں بخاری میں حضرت علیؓ کی یہ روایت بھی قابل توجہ ہے:

حدثنا آدم قال حدثنا شعبة قال حدثنا سلمة ابن كهيل قال سمعت الشعبي يحدث عن علي حين رجم المرأة يوم الجمعة قال رجمتها بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(بخاری، جلد۲، ۱۰۰۶)

ہم سے آدم نے بہ سند شعبہ۔ سلمۃ ابن کہیل، شعبی حضرت علیؓ سے

حدیث بیان کی جب انھوں نے ایک عورت کو جمعہ کے دن رجم فرمایا تو فرمایا تھا کہ میں نے اسے سنتِ رسول اللہ ﷺ کے مطابق رجم کیا ہے۔

اس روایت میں حضرت علیؓ نے رجم کا فیصلے کو مبنی بر قرآن نہیں فرمایا بلکہ مبنی بر سنت نبوی قرار دیا ہے جو تعزیر ہی ہوسکتی ہے اگر مذکورہ بالا آیت قرآن کریم کی آیت ہوتی اور اس کا حکم باقی ہوتا تو حضرت علیؓ اسے مبنی بر قرآن ہی بتاتے جیسا کہ ہمارے علمائے کرام آج بتا رہے ہیں اور اگر بالفرض حضرت عمرؓ نے وہ بات اپنے خطبے میں فرمائی تھی۔ اس سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ وہ آیت قرآن کریم کی آیت نہیں ہے بلکہ تورات کی آیت تھی اور راوی نے حضرت عمرؓ کی بات کو سمجھا نہیں۔

واللہ اعلم

حضرت انسؓ کی روایت

نیز حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ:

عن انسؓ قال رجم رسول الله صلى الله عليه وسلم و ابوبكر و عمر رضى الله عنهما و امرهما سنة رواه ابويعلىٰ ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، جلد۶، صفحہ ۲۶۴، المطالب العالیۃ، جلد۲، صفحہ ۱۱۶، حدیث نمبر ۱۸۱۲)

اس روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی فرما رہے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کا حکم بھی سنت ہے، قرآنی حکم نہیں ہے۔

یہ بھی اس کی تائید ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین نے قرآنی حد کی حیثیت سے نہیں بلکہ تعزیراً رجم فرمایا تھا۔

حضرت نعمانؓ بن بشیر کی روایت

نیز حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے:

عن حبيب ابن سالم قال أتى النعمان بن بشير رضى الله عنه برجل غشى جارية امرأة فقال لا اقضى فيها الابقضاء رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان احلتهالہٗ جلدته مأة و ان لم تكن اذنت لرجمته (ابوداود، جلد۲، صفحہ ۶۱۲، ابن ماجہ صفحہ ۱۸۶)

حبیب ابن سالم کہتے ہیں کہ حضرت نعمان بشیرؓ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے اپنی بیوی کی باندی سے صحبت کر لی تھی تو حضرت نعمانؓ نے فرمایا کہ میں اس میں رسول اللہؐ کے فیصلے کے مطابق ہی فیصلہ کروں گا۔ فرمایا عورت نے یہ باندی اس کے لیے حلال کر دی تھی تو میں اسے سو کوڑے ماروں گا اور اگر اس نے اسے اجازت نہیں دی تھی تو اسے رجم کروں گا۔

یہاں حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ بھی رجم کے حکم کو قرآن کی طرف منسوب نہیں فرما رہے ہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے ہی کی طرف منسوب فرما رہے ہیں اس سے صاف عیاں ہے کہ یہ حد قرآنی نہیں تھی بلکہ ایک تعزیر تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورۃً فرمائی تھی۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ

اس سلسلے میں جو حضرات رجم کو قرآنی حد ثابت کرنے پر مصر ہیں ان کی طرف سے حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اس مناظرہ کو جو انھوں نے خوارج سے فرمایا تھا بڑے شد و مد سے پیش کیا جاتا ہے اس مناظرہ کو سمجھنے کے لیے خوارج کے نظریات کا پس منظر سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ خوارج درحقیقت شیعان علیؓ ہی کا گروہ تھا جو جنگ صفین میں حضرت علیؓ سے الگ ہوگیا اور بالآخر ان کا سخت ترین مخالف بن گیا اور جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ نے حکمین کے تقرر پر اتفاق کر لینے کے بعد باہمی جنگ بند کر دی تو کچھ شیعانِ علیؓ نے اس تحکیم کو پسند نہیں کیا اور اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کا نعرہ بلند کر دیا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ حکم دینا تو صرف حق تعالیٰ ہی کا حق ہے تم نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ دو حکموں کے فیصلے کو واجب التسلیم قرار دے دیا ہے کہ جو کچھ یہ دونوں حکم فیصلہ کر دیں گے وہ ہمیں تسلیم ہوگا اس طرح تم نے حکم کے معاملے میں حق تعالیٰ کے ساتھ حکمین کو شریک ٹھہرالیا ہے لہٰذا تم کافر ہوگئے تمھیں توبہ کر کے تجدید ایمان کرنی لازم ہے ورنہ ہم تمھارا ساتھ نہیں دے سکتے۔

خوارج کا یہ استدلال انتہائی جاہلانہ تھا۔ حکم دسیوں طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک قاضی عدالت میں فیصلہ کرتا ہے اور حکم دیتا ہے، ایک حاکم کوئی حکم نافذ کرتا ہے۔ ایک کمانڈر میدان جنگ میں اپنے سپاہیوں کو احکام دیتا ہے۔ ایک استاد اپنے شاگردوں کو حکم دیتا ہے۔ ایک ادارے کا سربراہ اپنے ملازمین کو حکم دیتا ہے ایک کارخانے کا مالک اپنے مزدوروں کو حکم دیتا ہے۔ ایک شوہر اپنی بیوی کو کوئی حکم دیتا رہتا ہے۔ ایک اسکول اور کالج کا پرنسپل اپنے طلبہ اور

اسٹاف کو روزانہ احکام دیتا رہتا ہے اور جن کو یہ احکام دیے جاتے ہیں وہ اس کی اطاعت بھی کرتے ہیں تو کیا یہ سب کے سب شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور سب کافر ہیں؟ دراصل خوارج نے مختلف احکام اور مختلف اطاعتوں میں فرق نہ کر کے اس بیہودگی کا ارتکاب کیا تھا۔ احکام انتظامی بھی ہوتے ہیں، بزرگانہ اور مشفقانہ بھی ہوتے ہیں۔

آمرانہ اور سربراہانہ بھی ہوتے ہیں اور تعبدی بھی ہوتے ہیں، قرآن کریم نے جس حکم کو حق تعالیٰ کی خصوصیت بتایا ہے وہ تعبدی احکام ہیں اور ان کی اطاعت بھی تعبدی ہی ہوتی ہے۔ تعبدی حکم صرف حق تعالیٰ دے سکتے ہیں اور تعبدی اطاعت صرف حق تعالیٰ ہی ں جاسکتی ہے۔ یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ دوسرا کوئی شخص غیر تعبدی حکم بھی نہیں دے سکتا جبکہ حق تعالیٰ اولی الامر منکم کی اطاعت کو لازمی قرار دے رہے ہیں۔

چنانچہ قرآن کریم میں اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ میں اَلْحُکْمُ پر الف لام تعریف کا ہے یعنی وہ ایک خصوصی حکم یعنی تعبدی حکم ہے ہر حکم کے متعلق حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق فرمایا تھا:

کَلِمَۃُ حَقٍّ اُرِیْدَ بِھَا الْبَاطِلُ۔

ایک حق بات کو غلط مفہوم میں استعمال کیا جا رہا ہے۔

اگر ہر قسم کے تمام احکام غلط اور ان کی اطاعت شرک ہو جائے گی تو تمام دنیا کا سارا نظام ہی چوپٹ ہوجائے گا نہ شاگرد استاذ کی بات مانے، نہ بیٹا باپ کی بات سنے، نہ مزدور مالک کی، نہ کوئی ملازم اپنے سربراہ کی، نہ کوئی سپاہی اپنے کمانڈر کی، نہ مدعی اور مدعا علیہ قاضی اور جج کی، تو دنیا کا کام کیسے چلے گا؟

مناظرہ کی بنیاد یہی مسئلہ تھا کہ خوارج رجم کا انکار کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ چونکہ قرآن کریم میں رجم کا حکم نہیں ہے اس لیے ہم اسے نہیں مانتے۔ یہ ایک حکم ہے اور حکم صرف حق تعالیٰ ہی دے سکتے ہیں۔ کسی دوسرے کو حکم دینے کا حق نہیں ہے۔ ابن قدامہؒ نے اس مناظرہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

خوارج کے نمائندے حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خلیفۂ راشد کے خلاف انھوں نے جو چارج شیٹ پیش کی اس میں رجم کا مسئلہ بھی تھا۔ وہ یوں گویا ہوئے۔

خوارج: قرآن کریم میں صرف جَلْدُ ہے۔ رجم نہیں ہے اسی طرح تم عورتوں کے لیے ماہواری ایام کے دنوں میں نماز کی قضاء کے قائل نہیں ہو۔ روزوں کی قضا کو مانتے ہو حالانکہ

نمازوں کا حکم روزے سے زیادہ مؤکد ہے۔

عمر ابن عبدالعزیزؒ: کیا تم صرف قرآن پر عمل کرتے ہو؟

خوارج: ہاں۔

عمر ابن عبدالعزیزؒ: قرآن کریم میں فرض نمازوں کی تعداد، نمازوں کے ارکان کی تعداد، نماز کے اوقات کہاں ہیں؟ اسی طرح یہ کہ فلاں نماز میں اتنی رکعتیں ہیں اور فلاں میں اتنی، یہ قرآن میں کہاں ہے؟ زکوٰۃ کس مال میں واجب ہوتی ہے اور کس میں نہیں۔ اور زکوٰۃ کی مقدار کتنی ہے، زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے؟ یہ سب باتیں قرآن کریم میں کہاں ہیں؟

خوارج: ہمیں کچھ مہلت دیجیے۔

خلیفۂ راشد نے مہلت دے دی۔ ایک روز کے مشورے کے بعد وہ حاضر ہوئے اور پھر عرض کیا۔

خوارج: قرآن کریم میں تو یہ سب کچھ نہیں ہے۔

عمر ابن عبدالعزیزؒ: تو پھر تم ان کے کیسے قائل ہوگئے؟

خوارج: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے ان پر عمل کیا ہے۔

عمر ابن عبدالعزیزؒ: رجم پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا اور آپؐ کے بعد خلفاء نے اس پر عمل کیا۔ ماہواری ایام کے روزوں کے بارے میں آپ نے قضاء کا حکم دیا۔ ازواج مطہرات نے اور آپ کے صحابہ کی بیویوں نے روزے قضا کیے۔ (المغنی لا بن قدامہ، جلد۸، صفحہ ۱۵۸، کتاب الحدود)

اس تفصیل سے آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے خوارج کے جواب میں اسی بات سے استدلال فرمایا ہے کہ یہ تمام متنازعہ امور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور جماعت مسلمین کے عمل سے ثابت ہیں۔ ایک ایک حکم کو قرآن کریم میں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو امور قرآن کریم نے تفصیلی طور پر بیان نہیں فرمائے انھیں مسلمانوں کے ہیئت اجتماعیہ یا اسلامی مملکت کا سربراہ طے کرے گا اور اس کی تفصیلی جزئیات مرتب کرے گا اس کی اطاعت بھی ضروری ہے لیکن یہ اطاعت تعبدی اطاعت نہیں ہوگی بلکہ انتظامی اطاعت ہوگی اور اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ مملکت کے امن و انتظام کو باقی رکھنے کے لیے اس کی بھی ضرورت ہے۔ فرق صرف اتنا ہی ہے کہ تعبدی احکام میں کوئی تبدیلی یا ترمیم

نہیں ہوسکتی۔ البتہ انتظامی احکام میں اسی درجے کی اتھارٹی جس نے یہ حکم دیا تھا تبدیلی کرسکتی ہے۔ معاشرہ کبھی بھی ایک نقطے پر منجمد نہیں رہ سکتا۔ وہ حرکت پذیر ہے جوں جوں احوال و کوائف میں تبدیلیاں آتی جا رہی ہیں۔ انتظامی امور میں بھی ناگزیر طور پر تبدیلیاں آتی جائیں گی۔ حق تعالیٰ نے ان امور کو غیر متعین اسی لیے چھوڑا تھا کہ معاشرہ جامد نہ بن جائے اور احکام، معاشرے کا ہر حالت میں ساتھ دیتے چلے جائیں۔

واضح رہے کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کا یہ بیان تغلیبی ہے ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے تمام احکام محض انتظامی نوعیت کے ہی نہیں ہیں۔ بہت سے احکام خصوصاً وہ جن کا تعلق عبادات سے ہے، انتظامی نوعیت ہی کے نہیں ہیں بلکہ خود قرآن کریم سے مستنبط اور ماخوذ ہیں۔ ایسے احکام میں کسی بعد میں آنے والی اتھارٹی کو ترمیم و تنسیخ یا تبدیل و تغیر کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ ہم نے فقہ القرآن جلد اوّل میں تفصیل سے بتا دیا ہے کہ نمازوں کے اوقات نمازوں کی رکعات، نمازوں کے ارکان، ایسے ہی صوم کے بیشتر احکام، حج کے بیشتر احکام خود قرآن کریم ہی سے مستنبط اور ماخوذ ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا استخراج خود قرآن کریم ہی سے کیا ہے۔ جو احکام قرآن کریم ہی سے مستنبط اور ماخوذ ہیں انھیں قرآن کریم سے الگ نہیں کہا جاسکتا اور نہ ان کی اطاعت انتظامی قسم کی اطاعت کہی جاسکتی ہے جس میں ترمیمات ہوسکیں۔

بہرحال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک پیغمبر ہی نہیں تھے۔ آپ سربراہِ مملکت بھی تھے۔ آپ کمانڈر انچیف بھی تھے۔ آپ چیف جسٹس اور قاضی القضاۃ بھی تھے۔ آپ شفیق استاد بھی تھے۔ آپ مصلح قوم بھی تھے۔ آپ امت مسلمہ کے مسلمہ لیڈر بھی تھے اس کے ساتھ ہی ساتھ آپ کچھ عورتوں کے شوہر بھی تھے، کچھ لڑکیوں کے باپ بھی تھے، کچھ صحابہ کے داماد بھی اور خسر بھی تھے۔ کچھ لوگوں کے بھائی بھی تھے۔ آپ کے تمام احکام صرف ایک ہی حیثیت سے نہیں تھے۔ ہمیں ان تمام حیثیات میں فرق کرنا ہوگا اور جس حیثیت سے آپ نے کوئی حکم دیا تھا اسے اس کے مقام پر رکھنا ہوگا۔

یہ خوارج کی کوتاہ نظری تھی کہ وہ آپ کی تمام دوسری حیثیتوں سے انکار کر کے صرف آپ کی ایک حیثیت یعنی پیغمبرانہ حیثیت پر اصرار کرتے تھے جن کا نام صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کو پہنچانا تھا۔ لہٰذا وہ ہر بات کو قرآن کریم میں تلاش کرتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف سے حکم دینے کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ حکم دینے کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے احکام قرآن کریم میں آگئے ہیں۔ لہٰذا

جو حکم قرآن کریم میں نہیں ہے ہم اسے نہیں مانتے۔ ان کا موقف بدیہی طور پر غلط تھا اور حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے اسی موقف کی غلطی ان پر واضح کر دی۔

مقام حیرت ہے کہ ہمارے علمائے کرام ایک طرف تو خوارج پر لعن طعن کرتے ہیں ان کی تفسیق و تکفیر تک سے گریز نہیں کرتے (حالانکہ سلف نے انھیں کافر نہیں کہا) لیکن عملاً وہی کچھ کر رہے ہیں جو خوارج کیا کرتے تھے۔ وہ اپنی علمی گفتگو میں انھی کے سر میں سر ملا کر بات کرتے ہیں اور آپؐ کے احکام کو زبردستی قرآن کے سر تھوپنے کی کوشش میں اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں گویا ان کے نزدیک بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذاتی حیثیت میں کسی حکم کے دینے کا اختیار نہیں تھا۔ لہٰذا جس حکم کو واجب الاتباع قرار دینا ہو اسے لامحالہ قرآن کریم سے ثابت کیا جائے۔

مجھے بعض علمائے کرام کے اس دعوے پر حیرت ہے کہ رجم کا حکم قرآن کریم سے ثابت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۵ میں آیا ہے:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝ (۴/۱۵)

ترجمہ: اور تمھاری عورتوں سے جو بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان پر اپنے میں سے چار گواہ بنالو۔ تو اگر وہ گواہی دے دیں تو انھیں گھروں میں بند رکھو تا آنکہ انھیں موت آجائے یا اللہ ہی ان کے لیے کوئی سبیل نکال دے۔

اس آیت کریمہ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جو عورتیں بے حیائی کی مرتکب ہوں انھیں گھروں میں بند رکھو تا آنکہ انھیں موت آجائے یا خدا ان کے لیے کوئی اور سبیل نکال دے۔ اور مسلم کی ایک حدیث میں جو حضرت عبادۃ ابن الصامت رضی اللہ عنہ سے بیان کی گئی ہے بتایا گیا ہے کہ

كان النبی صلی الله علیه وسلم اذا انزل علیه الوحی كرب لذلك وتربد له وجهه قال فانزل علیه ذات یوم فلقی كذلك فلما مری عنه قال خذواعنی قد جعل الله لهن سبیلا الثیب بالثیب والبكر بالبكر الثیب جلد مائة ثم رجم بالحجارة والبكر جلد مأته ثم نفی سنة (جلد۱، صفحہ ۶۵)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپؐ پر

بے چینی کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی اور چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہوجاتا تھا چنانچہ ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی۔ جب وہ کیفیت فرو ہوگئی تو آپؐ نے فرمایا کہ لوگو! مجھ سے لے لو، حق تعالیٰ نے عورتوں کے لیے سبیل نکال دی ہے شادی شدہ، شادی شدہ کے ساتھ اور کنوارا، کنواری کے ساتھ، شادی شدہ کو سو کوڑے مارے جائیں گے پھر پتھروں سے سنگسار کیا جائے گا اور کنوارے کو سو کوڑے مارے جائیں پھر ایک سال کے لیے شہر بدر کر دیا جائے۔

وجہ استدلال یہ بتائی جاتی ہے کہ سورۂ نساء کی مذکورہ بالا آیت میں حق تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ''انھیں گھروں میں بند رکھو تا آنکہ انھیں موت آجائے یا حق تعالیٰ ان کے لیے کوئی سبیل نکال دیں۔'' اور اس حدیث میں آگیا ہے کہ ''مجھ سے لے لو۔ اللہ نے عورتوں کے لیے سبیل نکال دی ہے۔'' چونکہ حضور نے وہ سبیل کوڑے مارنا اور رجم کرنا بتائی ہے لہٰذا قرآن سے رجم کا ثبوت ہوگیا۔ مجھے انتہائی افسوس ہے کہ مجھے نہ تو وہ وحی قرآن میں کہیں ملی جس کے نزول کی خبر حضرت عبادہ ابن الصامت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس روایت کے راوی دے رہے ہیں اور نہ کہیں رجم کا حکم نظر آیا۔

نیز بڑے دکھ کے ساتھ مجھے یہ بھی عرض کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے علماء حضرات جن روایات کو خود بھی نہیں مانتے وہ بڑی دیدہ دلیری سے رجم کو قرآنی حد ثابت کرنے کے لیے پیش فرما دیتے ہیں۔ میرے مخاطب فقہ حنفی کے علماء ہیں (کیونکہ پاکستان میں مالکی، شافعی، حنبلی علماء تو ہیں ہی نہیں) لہٰذا مجھے فقہائے حنفیہ سے گزارش کرنے دیجیے کہ کیا آپ اس حدیث کو تسلیم فرماتے ہیں؟ کیا آپ اس حدیث کے مطابق شادی شدہ کو پہلے کوڑے مارنے اور پھر پتھروں سے سنگسار کرنے کے قائل ہیں؟ کیا آپ کنواروں کو سو کوڑے مارنے اور پھر ایک سال کے لیے شہر بدر کرنے کے قائل ہیں؟ اگر یہ حضرات خود ہی اس حدیث کے مطابق عمل کرنے کے قائل نہیں ہیں تو اس حدیث کو پیش کرنے سے اُن کا مقصد سوائے عوام کو گمراہ کرنے اور انھیں اشتعال دلانے کے اور کیا ہے؟ جس حدیث کو وہ خود بھی نہیں مانتے اس سے دوسروں پر حجت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ چہ خوب؟

اس حدیث پر میں تفصیل سے بحث کر چکا ہوں اور وہاں بتا چکا ہوں کہ فقہاء حنفیہ نے اس حدیث کو یہی کہہ کر رد فرمایا ہے کہ اس میں کنوارے زانی کی زنا سو کوڑے اور ایک سال کے لیے جلاوطنی بتائی گئی ہے جبکہ قرآن کریم میں صرف سو کوڑے بتائی گئی ہے اور خبر واحد سے کتاب

اللہ پر اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے وہاں یہ بھی عرض کیا تھا اور اب پھر عرض کرتا ہوں کہ پھر اس خبر سے رجم کا اضافہ بھی تو نہیں کیا جاسکتا۔ آدھی حدیث کو یہ حضرات حجت مانتے ہیں اور آدھی حدیث کا انکار فرماتے ہیں یہ کونسی فقاہت ہے؟

میں نے یہ عرض کر دیا تھا کہ قرآن کریم کی وہ آیت (۱۵/۴) جس سے بحث کی جا رہی ہے زنا کے متعلق نہیں ہے۔ علمائے کرام مجھ سے اتفاق فرمائیں گے کہ فاحشة کا لفظ عربی زبان میں صرف زنا کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ فاحشة تمام بے حیائیوں کی باتوں کو کہتے ہیں اور ہر بے حیائی زنا ہی نہیں ہوتی۔ زنا سے کم کم جو بے حیائیاں کی جاتی ہیں وہ بھی تو اسلام میں معاف نہیں ہیں۔ ان کی بھی تو سزا ہونی چاہیے چنانچہ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں فاحشہ سے مراد ہم جنسی ہے کہ عورت عورت کے ساتھ، اور مرد مرد کے ساتھ بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ (دیکھئے تفسیر ابن کثیر صفحہ ۹۰، پارہ چہارم، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی) چنانچہ بعض فقہاء نے اس آیت کریمہ کو لواطت اور مساحقت پر محمول کیا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت کریمہ ہر قسم کی بے حیائی کو شامل ہے جو زنا سے کم ہوں۔ مقدمات زنا بھی اس میں شامل ہیں۔ اس کے برخلاف اگر اس آیت کریمہ کو زنا پر محمول کیا جائے تو پھر اس آیت کو سورۂ نور کی آیت (دربارۂ زنا) سے منسوخ ماننا پڑے گا۔ چنانچہ فقہائے کرام نے اسے منسوخ ہی مانا ہے لیکن ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی کسی آیت کو منسوخ ماننے سے یہ بات بدرجہا بہتر ہے کہ اسے معمول بہا اور محکم مانا جائے۔ ویسے ہم اس کے قائل ہی نہیں ہیں کہ قرآن کریم میں اب بھی ایسی آیات موجود ہیں جن کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور انھیں حق تعالیٰ نے صرف اس لیے باقی رکھ چھوڑا ہے تاکہ لوگ تلاوت کیا کریں اور تلاوت کا ثواب حاصل کرسکیں لیکن جو لوگ اس قسم کے نسخ کو تسلیم کرتے ہیں وہ بھی اس سے انکار نہیں کرسکتے کہ آیات قرآنی کو محکم اور قابل عمل تسلیم کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ انھیں منسوخ مانا جائے۔ لہٰذا اس آیت کریمہ کو زنا پر محمول نہ کرنا اور اس کا کوئی دوسرا محمل متعین کرنا ہی بہتر ہوگا۔

ھذا ما رأیته والله اعلم

خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں رجم

آخر میں ایک سوال باقی رہ جاتا ہے جس کا جواب دینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ اگر رجم کرنا قرآن کا حکم نہیں تھا بلکہ تورات کا حکم تھا جو سورۂ النور کی آیت (۲/۲۴) سے منسوخ ہو چکا تھا تو حضرات خلفائے راشدین نے کیوں رجم فرمایا؟

اس کے دو جواب ہوسکتے ہیں ایک جواب تو یہ کہ عرصۂ دراز سے اسلامی معاشرہ میں تورات کے مطابق عمل ہوتا چلا آرہا تھا، اور قانونِ تورات میں ی شدہ اور غیر شادی شدہ زناکار کی تفریق موجود تھی۔ ذہن اسی کے عادی چلے آرہے تھے قرآن کریم میں زنا کی سزا نازل ہوئی تو وہ کوڑے مارنے کی سزا تھی چونکہ تورات کے اتباع میں کوڑے غیر شادی شدہ زانی کو مارے جارہے تھے اس لیے لوگوں کے ذہن اسی طرف منتقل ہوئے جو وہ اب تک کرتے چلے آرہے تھے آدمی کے ذہن میں جب ایک بات پختگی کے ساتھ جم جاتی ہے تو فطری بات ہے کہ ذہن اس کے خلاف کی طرف متوجہ نہیں ہو پاتا۔ متعہ کی مثال موجود ہے وہ حرام کیا جاچکا۔ قرآن کی نصوص صریحہ کے خلاف ہے۔ مگر عرب کے لوگ اس کے عادی چلے آتے تھے چنانچہ آج تک ایک طبقہ اسے جائز ہی سمجھتا آرہا ہے اسے زیادہ سے زیادہ ایک اجتہادی خطا کہا جاسکتا ہے۔ جو ہر مجتہد سے ہوسکتی ہے البتہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں کوئی ایسا واقعہ ظہور پذیر ہوگیا ہوتا کہ آپ نے شادی شدہ جوڑے کو سنگسار کرنے کے بجائے کوڑوں کی سزا دی ہوتی تو صحابہؓ سے ایسی اجتہادی خطا سرزد نہ ہوتی، مگر ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ بہرحال قرآن کریم کی نص صریح کے خلاف حضرات صحابہؓ کے فیصلوں اور اجتہادات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی نہ ہی کسی خبر واحد یا صحابی کے فتوے سے قرآن کریم کے کسی حکم کو منسوخ یا تبدیل کیا جاسکتا ہے قرآن کریم کے ایک عام حکم کو خاص کرلینا اسے منسوخ کر دینا ہی ہے مگر ہمارے نزدیک یہ جواب درست نہیں کیونکہ اتنی زبردست غلط فہمی کم از کم خلفائے راشدین کو نہیں ہوسکتی تھی، انفرادی طور پر ایک صحابی سے البتہ اس کا امکان ہوسکتا ہے مگر خلفائے راشدین کا اوّل تو اتنی اہم بات میں غلط فہمی میں مبتلا ہونا بعید ہے پھر مجمع عام میں جب وہ سزا دیتے تھے تو کسی کا اس پر اعتراض نہ کرنا اور صحیح بات کی طرف متوجہ نہ کرنا اور بھی ناممکن بات ہے اس لیے ہمارے نزدیک صحیح جواب دوسرا ہے۔

رجم حد نہیں تعزیر ہے

دوسرا جواب وہ ہے جو ہم نے اس سے پہلے شیخ علی علی منصور کی گرانقدر تصنیف ''نظام التجریم والعقاب فی الاسلام'' کے حوالے سے عہد حاضر کے بلند مرتبہ علمائے کرام جو دنیائے عرب میں سند (Authorit) مانے جاتے ہیں یعنی علامہ شیخ مصطفیٰ زرقاء، علامہ شیخ ابو زہرہ، علامہ شیخ محمود شلتوت شیخ الازہر، علامہ شیخ علی خفیف اور علامہ شیخ عبدالوہاب خلاف وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت علی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے شادی شدہ زناکاروں کا از

روئے حد قرآنی سنگسار نہیں فرمایا تھا کہ انھوں نے تعزیراً ایسا کیا تھا اور آج بھی تعزیراً سنگسار کیا جاسکتا ہے اگر کسی زمانے میں اسلامی حکومت ضروری سمجھے کہ عام قانون سے کام نہیں چل رہا ہے یا کسی شخص کے مقدمے میں یہ محسوس کرے کہ اس میں تشدید کی ضرورت ہے تو تشدید کی جاسکتی ہے، عام سول قانون جب ناکام ہوجاتا ہے تو مارشل لا لگانا ہی پڑتا ہے حکومت کا فریضہ امن و امان کا قیام ہے۔ عام سول قانون سے یہ مقصد حاصل ہوسکے تو فبہا ورنہ خصوصی فوجی قوانین نافذ کرنے ہی پڑتے ہیں۔ اور یہ بھی خلاف قرآن نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ ہمارے ہاں پاکستان میں (پینتیس سال کے عرصے میں) اب تک چار مرتبہ یہ عمل دہرایا جاچکا ہے کہ سول قانون کو معطل کر کے مارشل لا نافذ کیا گیا اور ہر مرتبہ ہم نے اسے قبول کیا۔ ہمارے سپریم کورٹ نے ہر مرتبہ اسے حق بجانب اور صحیح قرار دیا اور ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ لیکن اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے کبھی ضرورۃً عام قانون سے ہٹ کر کوئی سخت قانون نافذ کر دیا ہے تو اسے ہنگامی قانون کے بجائے عام اور مستقل قانون بنا ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے ہم یہ قطعاً بھول جاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہی نہیں تھے وہ رسول ہونے کے ساتھ سربراہِ مملکت بھی تھے۔ خلفائے راشدین کی بھی یہی حیثیت ہے۔ انھیں ہنگامی قانون نافذ کرنے کا بھی حق تھا کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین، فیلڈ مارشل جنرل محمد ایوب خاں، ذوالفقار علی بھٹو اور جنرل ضیاء الحق سے بھی کم تر تھے؟ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۳۳/۵)

ترجمہ: یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں یہ ان کی سزا ہے کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا انھیں سولی دے دی جائے یا مخالف جہت سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں یا ملک بدر کر دیے جائیں۔ یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور ذلت ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں زنا کاری زمین میں فتنہ و فساد کا موجب ہے اور فساد پھیلانے کی سزا قتل کر دینا اور سولی دے دینا ہے۔ قتل کی ایک صورت سنگسار کر کے مار ڈالنا بھی ہے یہ امام

(سربراہِ مملکت) کی رائے پر منحصر ہے کہ وہ قتل کا جو مناسب طریقہ سمجھے اختیار کرے۔ اگر حالات و واقعات کا یہی تقاضہ ہو اور امام کسی کو ملک میں فساد پھیلانے کا مجرم سمجھتا ہو تو وہ زنا میں بھی اس آیت کریمہ کی رو سے قتل کی سزا دے سکتا ہے۔ چنانچہ زنا ہی کی سزا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے بعض لوگوں کو کوڑوں کی سزا کے ساتھ ملک بدر بھی فرما دیا ہے۔ ان کا ایسا کرنا کسی خود ساختہ فیصلے کے تحت نہیں بلکہ یقیناً اسی آیت کے تحت تھا۔ چنانچہ امام شافعیؒ نے کوڑوں کی سزا کے ساتھ ساتھ ملک بدر کر دینا بھی ضروری قرار دے دیا ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ نے اسے سیاست و تعزیر پر محمول کر کے امام کی رائے پر چھوڑ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ زنا کی سزا میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ فساد فی الارض ہی کے جرم میں قرآن نے ملک بدر کر دینے کی سزا کا ذکر فرمایا ہے۔ ان حضرات نے زنا کو فساد فی الارض سمجھ کر اسی آیت کے مطابق زنا کاروں کو ملک بدر کیا تھا۔ امام (اور پارلیمنٹ) کو خصوصی حالات میں سزاؤں میں تخفیف و تشدید کا اختیار ہوتا ہے چنانچہ قحط کے زمانے میں حضرت عمرؓ نے سرقہ کی حد ساقط فرمادی تھی اور بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کو بجائے ایک کے تین طلاقیں قرار دینے کا حکم نافذ فرما دیا تھا۔ لہٰذا سنگساری کی سزا کو بھی اسی آیت سے فساد فی الارض کی بنیاد پر تعزیراً مستنبط مانا جائے تو بالکل درست ہے اس کی ایک واضح مثال شراب خوری کی سزا ہے قرآن کریم نے اس کی کوئی سزا مقرر نہیں کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کوئی متعین سزا نافذ نہیں فرمائی۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب شراب نوشی کے مقدمات بکثرت آنے لگے تو صحابہؓ کے مشورے سے اس کی سزا اسی کوڑے مقرر کر دی گئی۔ اس سلسلے میں حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا قرآن کریم سے مستنبط یہ قول منقول ہے کہ جو شراب پیتا ہے وہ مدہوش ہوجاتا ہے وہ اول فول بکتا ہے۔ جو اول فول بکتا ہے وہ تہمتیں بھی لگا سکتا ہے اور تہمت کی سزا قرآن کریم نے اسّی کوڑے مقرر کی ہے لہٰذا شراب نوشی کی سزا اسّی کوڑے ہونی چاہیے۔ (حاشیہ ہدایہ منقول از عنایہ والدرایہ، جلد۲، صفحہ ۵۲۴) یہی صورت یہاں بھی ہے کہ جو زنا کرتا ہے وہ لوگوں کی عزت و آبرو پر ڈاکہ ڈالتا ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہ زمین میں فتنہ و فساد پھیلانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی سزا قرآن کریم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا بتائی ہے لہٰذا ایسے زانی کو جو شادی شدہ بھی ہو قتل کر دینا چاہیے۔ کیونکہ اس کا جرم غیر شادی شدہ آدمی کے مقابلے میں زیادہ شدید ہے تاکہ اس جرم کا سد باب ہوسکے۔

☆☆☆

کتب حوالہ

کتاب الحدود ۔ باب الرجم

اس باب کی ترتیب میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے:

تفسیر و علوم قرآن

(۱) المفرادت فی غریب القرآن للامام راغب الاصفہانی، مطبعۃ المیمنیۃ، مصطفی البابی الحلبی، مصر۔

(۲) تفسیر روح المعانی للعلامہ آلوسیؒ، مطبوعہ مصر۔

(۳) تدبر قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی۔

(۴) النسخ فی الشریعۃ الاسلامیہ علامہ عبدالمتعال الجیری، مطبوعہ مصر۔

(۵) تفسیر منسوخ القرآن، علامہ رحمۃ اللہ طارق، مطبوعہ ادبیات اسلامیہ، ملتان۔

(۶) نظرات فی القرآن، للشیخ محمد الغزالی، طبع دوم، مصر۔

(۷) الاتقان فی علوم القرآن، للحاظ السیوطیؒ، مطبوعہ المکتبۃ التجارۃ الکبری، مصر۔

(۸) الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن (عربی) ، امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی الدیوبندی۔

حدیث اور علوم حدیث

(۱) ترجمۂ مؤطا ، مولانا وحیدالزمان مرحوم، مطبوعہ نور محمد کراچی۔

(۲) صحیح بخاری شریف، مطبوعہ مطبع مجتبائی، دھلی۔

(۳) فتح الباری، لابن حجرالعسقلانی، مطبوعہ مصر۔
(۴) عینی شرح بخاری، مطبوعہ مصر۔
(۵) فیض الباری شرح بخاری، علامہ انور شاہ کشمیری، مطبوعہ مجلس علمی، کراچی۔
(۶) البدر الساری الی فیض الباری، مولانا بدر عالم میرٹھی، مطبوعہ مجلس علمی، کراچی۔
(۷) صحیح مسلم۔
(۸) سنن ابوداؤد۔
(۹) جامع ترمذی
(۱۰) ابن ماجہ۔
(۱۱) مجمع الزوائد، مطبوعہ مصر۔
(۱۲) المطالب العالیہ، لا بن حجر عسقلانی۔
(۱۳) جمع الفوائد، مطبوعہ مطبعہ خیریہ، میرٹھ۔
(۱۴) نیل الاوطار للشوکانی، مطبوعہ مصر۔
(۱۵) اختلاف الحدیث للامام الشافعی علیٰ ھامش کتاب الام، مطبوعہ مصر۔
(۱۶) النھایہ لابن الاثیر، مطبوعہ قاھرہ بہ تحقیق طاھر احمد الزھادی۔
(۱۷) مجمع بحارالانوار، مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ۔
(۱۸) لغات الحدیث، مولانا وحید الزمان مرحوم، مطبوعہ نور محمد، کراچی۔

فقہ وعلوم فقہ

(۱) جماع العلم للامام الشافعیؒ، طبع معارف، مصر۔
(۲) بدایۃ المجتھد، لابن رشدؒ، مطبوعہ مصر۔
(۳) المغنی لا بن قدامہ، مطبوعہ مصر۔
(۴) المیزان الکبریٰ للشعرانی، مطبوعہ مصر۔
(۵) الھدایہ، مطبوعہ کلام کپمنی، کراچی۔
(۶) فتح القدیر للشیخ ابن ھمام، مطبوعہ مصر۔
(۷) اصول بزدویؒ، مطبوعہ نور محمد، کراچی۔

(۸) فتاویٰ ابن تیمیہؒ، مطبوعہ مصر۔
(۹) نورالانوار، ملاجیونؒ، مطبوعہ سعید کمپنی، ادب منزل، کراچی۔
(۱۰) ارشادالفحول، مطبعۃ السعادۃ، مصر۔
(۱۱) رسائل و مسائل، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، چھٹا ایڈیشن، مطبوعہ جولائی ۱۹۷۶ء۔
(۱۲) نظام التجریم والعقاب فی الاسلام، علامہ علی علی منصور، مطبوعہ مؤسسۃ الزھرا للایمان والخیر، مدینۂ منورہ۔
(۱۳) حد رجم کی شرعی حیثیت از حافظ صلاح الدین یوسف مدیر الاعتصام، ناشر مکتبۂ سلفیہ، لاھور۔

لغات

(۱) المفردات فی غریب القرآن للامام راغب الاصفھانی مطبعۃ المیمنیہ البنابی الحلبی مصر۔
(۲) تاج العروس شرح قاموس۔ مطبوعہ مصر۔
(۳) محیط المحیط للبستانی، مطبوعہ بیروت۔
(۴) ابن الفارس مطبوعہ دار احیائے الکتب العربیۃ عیسیٰ البابی الحلبی مصر۔

متفرقات

(۱) تورات (عھد نامۂ عتیق)
(۲) انجیل یوحنا (عھد نامہ جدید)
(۳) انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجینز۔
(۴) سیرت امام احمد ابن حنبل علامہ شیخ محمد ابو زھرہ، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، لاھور۔
(۵) ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، شمارہ مئی ۱۹۸۱ء۔
(۶) روزنامہ ''جسارت'' شمارہ ۱۵/اپریل ۱۹۸۱ء و ۲۵/اپریل ۱۹۸۱ء۔
(۷) روزنامہ ''جنگ'' مؤرخہ ۱۷/اپریل ۱۹۸۱ء۔

☆☆☆